(اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً)
تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو (اعراف:۷/۵۵)
رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ
آہستہ پڑھیں یا بآواز بلند؟
از
ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی
ناشر
دار السنة للتحقيق والنشر والطباعة

نام کتاب : **رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ** آہستہ پڑھیں یا بآواز بلند؟

مؤلف : ابوالفوزان کفایت اللہ السنابلی۔

ناشر : دارالسنۃ للتحقیق والنشر والطباعۃ

اشاعت : 2010ء۔

تعداد : 2000۔

کتاب ملنے کے پتے :-

☆عمری بک ڈپو، نزد مدرسہ تعلیم القرآن، اشوک نگر، کرلا، ممبئی

☆مدرسہ رحمانیہ سلفیہ، کملا رامن نگر، بیگن واڑی، گوونڈی، ممبئی

☆مدرسہ تنویرالاسلام، سعداللہ پور، پوسٹ کسمہی، سدھارتھ نگر، (یو، پی)

☆مرکز مکتبۃ الاسلام، ایوان ہمدرد، مسلم چوک، گلبرگہ، کرناٹک، انڈیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً﴾

تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو (اعراف: ۷/۵۵)

رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ

آہستہ پڑھیں یا بآواز بلند؟

از

ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی

ناشر

دار السنة للتحقيق والنشر والطباعة

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

نماز سے متعلق بہت سے مسائل میں زمانہ قدیم ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے، انہیں مختلف فیہ مسائل میں نماز کی بعض دعاؤں کو بالجہر یا بالسر پڑھنے کے مسائل بھی ہیں، لیکن اس سلسلے میں اب تک صرف دو ہی مسئلے زیر اختلاف تھے، ایک آمین بالجہر یا بالسر کا مسئلہ اور دوسرا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بالجہر یا بالسر کا مسئلہ، لیکن عصر حاضر میں اسی نوعیت کے ایک اور مسئلے کا اضافہ ہوگیا ہے اور وہ ہے: ''امام ومقتدی کا دعاء قومہ یعنی رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ بالجہر یا بالسر پڑھنا'' میرے علم کی حد تک سلف صالحین صحابہ وتابعین کے بیچ اس مسئلے میں بالکل اختلاف نہ تھا، متقدمین محدثین وفقہاء کی کتابوں میں جس طرح رکوع وسجود کی دعاؤں کا تذکرہ ہے، ٹھیک اسی طرح دعاء قومہ کا بھی تذکرہ ہے، کسی نے بھی اسے بالجہر یا بالسر پڑھنے کا اختلاف ذکر نہیں کیا ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ ان کے بیچ مختلف فیہ تھا ہی نہیں بلکہ یہ عصر حاضر کی پیداوار ہے۔

اور لطف تو یہ ہے کہ اس اختلاف کو جنم دینے والے یعنی دعاء قومہ بالجہر کے قائلین اپنے مؤقف کی تائید میں صحیح بخاری کی حدیث پیش کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے صحیح حدیث پیش کردی ہے اس لئے مسئلہ بھی صحیح ہے، حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی مسئلہ صحیح ہونے کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ اس کی تائید میں صحیح حدیث پیش کردی جائے بلکہ صحیح حدیث پیش کرنے کے ساتھ ساتھ صحیح استدلال بھی پیش کرنا ضروری ہے، ورنہ اگر استدلال فاسد ہے تو مستدل حدیث خواہ کتنے ہی اونچے درجے کی ہو قطعاً لائق حجت نہ ہوگی، حتی کہ اگر قرآن بھی پیش کردیا جائے لیکن اس سے استدلال صحیح نہ ہو تو وہ بھی قطع نزاع کے لئے غیر مفید ہے۔

اور اگر صرف قرآن اور صحیح حدیث پیش کردینے سے مسئلہ حل ہوجاتا تو آج کون سی ایسی بدعت ہے اور کون سی ایسی گمراہی ہے جس کی تائید میں مبتدعین نے قرآن اور صحیح حدیث نہیں پیش کی ہے؟ نور و بشر، حاضر وناظر، میلاد وفاتحہ، سماع موتی، علم غیب، حیات نبی غرض کہ ہر نو ایجاد مسئلہ میں قرآن اور

صحیح حدیث سے دلیل دی جاتی ہے،تو کیا ان نادانوں کی بات صرف اس لئے مان لی جائے گی کہ یہ قرآن اور صحیح حدیث پیش کر رہے ہیں؟ ہرگز نہیں! بلکہ قرآن اور صحیح حدیث پیش کرنے کے ساتھ ساتھ صحیح استدلال بھی پیش کرنا ضروری ہے۔

ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ **رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ** آہستہ پڑھا جائے قرانی آیات،احادیث صحیحہ اوراجماع امت سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے اس موضوع پرہم نے ایک مفصل کتاب ''**ارشادالعبد الی اخفاء ربنالک الحمد**'' نامی مرتب کی ہے جس میں قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس سے ایسے دلائل پیش کئے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دعاءقومہ کو بالسر ہی پڑھنا مشروع ہے نیز دعاءقومہ بالجہر کے قائلین کے تمام دلائل کا تفصیلی جائزہ بھی لیا گیا ہے،ساتھ ہی '' **نشاط العبد بجهر ربنالک الحمد**'' نامی رسالہ میں پیش کردہ تمام شبہات کاازالہ بھی کر دیا گیا ہے، زیرنظر رسالہ اسی کتاب کا اختصار ہے ہم نے اپنی بات اہل علم کے سامنے رکھ دی ہے اگر یہ غلط ہے تو اہل علم دلائل کی روشنی میں اختلاف کریں ہم اس کا خیرمقدم کریں گے۔

وصلی الله علی محمد و علی آله وصحبه و سلم و الحمد لله ربّ العالمین۔

ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی

”ربنالك الحمد“ بالسر (آہستہ) پڑھنے کے دلائل

قرآنی آیات:

للہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًاوَّ خُفْيَةً اِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [أعراف:٥٥/٧] تم اپنے رب سے دعاء کیا کروگڑگڑا کر کے اور چپکے چپکے بھی، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ [أعراف:٢٠٥/٧] اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو عاجزی اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کیساتھ۔

مذکورہ دونوں آیتوں میں اللہ ربّ العالمین نے دعاء کرنے کا یہ طریقہ بتلایا ہے کہ دعائیں آہستہ اور خفیہ طور پر کی جائیں اور پہلی آیت میں جو ﴿اِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ ہے اس میں ”اعتداء“ کی جو تفسیریں کی گئی ہیں انہیں میں سے ایک دعاء میں آواز بلند کرنا بھی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وفسر الاعتداء برفع الصوت –ایضا– فی الدعاء یعنی ”اعتداء“ (حد سے آگے بڑھنے کی) کی تفسیر دعاء میں آواز بلند کرنے سے بھی کی گئی ہے“ [مجموعة الفتاوی ٢٢/١٥]۔

اور دوسری آیت میں ﴿فِیْ نَفْسِکَ﴾ دل میں دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ امام مجاہد اور امام ابن جریج کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" قال مجاهد وابن جريج: أمروا أن يذكروه فى الصدور بالتضرع والاستكانة دون رفع الصوت والصياح،
امام مجاہد اور امام ابن جریج کہتے ہیں کہ اس آیت میں لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ کا ذکر اپنے دلوں میں کریں، گریہ وزاری و عاجزی کے ساتھ، نہ کہ بلند آواز اور چیخ و پکار کے ساتھ"
[مجموعة الفتاویٰ ١٩/١٥] ۔

واضح رہے کہ مذکورہ آیات کہ یہی تفسیر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے ائمہ تفسیر نے بھی کر رکھی ہے ان تفاسیر اور ان کی سندوں پر تفصیلی بحث کے دیکھئے ہماری مفصل کتاب: **ارشاد العبد الی اخفاء ربنالک الحمد۔**

ان آیات سے ایک اصولی بات معلوم ہوئی کہ دعاؤں میں اصل اسرار (یعنی انہیں آہستہ پڑھنے کا حکم) ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"والسنة فى الدعاء كله المخافة الا أن يكون هناك سبب يشرع له الجهر، قال تعالىٰ: ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً اِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ وقال تعالىٰ عن زكريا: ﴿ اِذْ نَادٰى رَبَّه نِدَآءً خَفِيًّا ﴾ [مريم: ١٩/٣] **بل السنة فى الذكر كله ذٰلك، كماقال تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ﴾ وفى الصحيحين أن اصحاب رسول الله ﷺ كانوا معه فى سفر، فجعلوا يرفعون أصواتهم فقال النبى ﷺ: "أيها الناس اربعوا على أنفسكم فانكم لا تدعون أصم، ولا غائبًا وانما تدعون سميعًا قريبًا، ان الذى تدعونه أقرب الىٰ أحدكم من عنق راحلته. متفق عليه،**
ہر قسم کی دعا میں سنت یہ ہے کہ اسے آہستہ پڑھا جائے الا یہ کہ کسی سبب کسی دعاء میں جہر مشروع ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تم اپنے رب سے دعاء کیا کرو گڑگڑا کر کے اور چپکے چپکے بھی، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نا پسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں ﴾ اور زکریا علیہ السلام کی دعاء کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿جب انھوں نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعاء کی ﴾ نیز تمام اذکار میں بھی یہی چیز سنت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو عاجزی اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ ﴾ اور

بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ ایک سفر میں آپ کے ساتھ تھے تو صحابہ نے دعاء میں اپنی آواز بلند کرنی شروع کر دی ،اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:''اے لوگو! اپنے آپ پر رحم کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اسے پکار رہے ہو جو سننے والا اور قریب ہے، بے شک جسے تم پکار رہے ہو وہ تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے زیادہ قریب ہے''[مجموعة الفتاویٰ: ٢٢/٤٦٨-٤٦٩]۔

قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہوئے یہی بات دیگر بہت سے اہل علم نے بھی کہہ رکھی ہے، [ملاحظہ ہو: الام للشافعی (١/١١٠) نیز دیکھیں: سلسلةالأحاديث الصحيحة: ٧/٤٥٤ تحت الرقم (٣١٦٠)، تمام المنة فی التعليق على فقه السنة: ص١٧٧، اور ہماری مفصل کتاب: ارشادالعبد الى اخفاء ربنالك الحمد]۔

تنبیہ:

واضح رہے کہ بعض آیات میں اللہ رب العلمین نے اپنے بندوں کی دعاؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے'' نداء '' کا لفظ استعمال کیا ہے، تو یہ اس بات کی صریح دلیل نہیں ہے کہ ان کی دعائیں بآواز بلند تھیں، کیونکہ '' نداء ''کا اطلاق گرچہ اونچی آواز پر ہوتا ہے لیکن قرآن میں خفیہ آواز کے لئے بھی یہ لفظ مستعمل ہے، چنانچہ زکریا علیہ السلام کی دعاء کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِذْ نَادٰی رَبَّه نِدَآءً خَفِيًّا﴾

جب انہوں (زکریا علیہ السلام) نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعاء کی۔[مریم١٩:٣]

یہاں پر غور کیجئے کہ زکریا علیہ السلام کی دعاء خفیہ اور آہستہ تھی پھر بھی اس پر '' نداء'' کا اطلاق ہوا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ خفیہ اور آہستہ کی گئی دعاؤں پر بھی لفظ ''نداء'' کا اطلاق ہوتا ہے، نیز اگر یہ تسلیم کرلیں کہ دعاء کے لئے مستعمل '' نداء'' ہر حال میں جہر پر دلالت کرتا ہے اور اس لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی جن دعاؤں کا تذکرہ کیا ہے وہ بآواز بلند تھی، تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض خاص حالتوں میں بآواز بلند دعاء کی جاسکتی ہے لیکن یہ حکم انہیں خاص حالات

کے ساتھ ہی مختص ہوگا، کیونکہ یہ واقعات محض فعل کی حکایات ہیں اللہ کا حکم وفرمان نہیں، نیز یہ خاص حالات سے تعلق رکھتے ہیں، اور عام حالات میں اور عام دعاؤں میں اس پر عمل نہیں ہوسکتا کیونکہ عام حالات میں اللہ کا حکم وفرمان یہ ہے کہ آہستہ دعاء کی جائے جیسا کہ اوپر تفصیل کی گئی۔

احادیث صحیحہ:

(۱)☆"عن زیدبن أرقم رضی اللہ عنہ قال کنا نتکلم فی الصلوٰۃ یکلم الرجل صاحبہ وھو الیٰ جنبہ فی الصلوٰۃ حتی نزلت "وَقُوْمُوْالِلّٰہِ قَانِتِیْن " [بقرۃ۲:۲۳۸]، **<u>فأمرنا بالسکوت</u> ونھینا عن الکلام،**

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم (پہلے) نماز میں کلام کیا کرتے تھے، ایک شخص نماز میں اپنے بغل والے شخص سے بات کرلیا کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی "وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ" (بقرۃ:۲۳۸) اس کے بعد ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دے دیا گیا اور بات چیت سے روک دیا گیا" [مسلم :- کتاب المساجد: باب تحریم الکلام فی الصلوۃ...رقم۵۳۹]۔

اس حدیث میں ہے "فأمرنا بالسکوت"، یعنی ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ نماز کی اصلی حالت سکوت اور خاموشی کی ہے، لہٰذا نماز کا کوئی بھی رکن ہو کوئی بھی جزء ہو ہر جگہ خاموشی ہی اپنائیں گے اس اصول کے خلاف کہیں پر جہر کرنے کے لئے واضح دلیل ہونی چاہئے، مولانا محمد داؤد ارشد صاحب اس حدیث سے اذکار نماز کو بالسر پڑھنے پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ حدیث اس بات کی واضح اور حجت قاطع ہے کہ نماز کی **<u>اصل حالت سکوت ہے</u>** اور نماز میں جہر صرف اور صرف وہاں ہی کیا جائے گا جہاں نص سے جہر ثابت ہو" [تحفۂ حنفیہ بجواب تحفۂ اہلحدیث:ص۹۶]۔

معلوم ہوا کہ "**ربنالک الحمد**"، ہو یا کوئی اور دعا اس حدیث کی رو سے اسے آہستہ ہی پڑھیں

گے، نیز بعض احادیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے امام کے پیچھے بآواز بلند پڑھنے سے منع فرماتے ہوئے اسے منازعت قرار دیا ہے[مسلم :- کتاب الصلوۃ:باب نھی الماموم عن جھرہ بالقرأۃ . . .، رقم ۳۹۸]، مولانا محمد داؤد ارشد صاحب ایسی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب مقتدی تکبیرات و تحمید(ربنالک الحمد)اور باقی اذکار کو جہر سے ادا کرے گا تو منازعت کی صورت پیدا ہوگی اور یہ بالاتفاق ناجائز ہے"۔[تحفہ حنفیہ:ص۴۸۶]۔

(۲)☆"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال:بینما نحن نصلی مع رسول الله ﷺ اذ قال رجل فی القوم:الله أکبر کبیرا،والحمدلله کثیرا،وسبحان الله بکرة وأصیلا . فقال رسول الله ﷺ :"من القائل کلمة کذا وکذا؟"(وفی روایة للنسائی:من صاحب الکلمة). قال رجل من القوم : أنا یا رسول الله، قال:"عجبت لها فتحت لها أبواب السماء (وفی روایة للنسائی:لقد ابتدرهااثناعشرملکا)".وقال ابن عمر فما ترکتهن منذ سمعت من رسول الله ﷺ یقول ذٰلک،

صحابی رسول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے (جب آپ نے نماز شروع فرما کر اللہ اکبر کہا) تو (آپ ﷺ کے پیچھے) لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا:"**الله أکبر کبیرا، والحمدلله کثیرا،وسبحان الله بکرة و أصیلا**"، آپ ﷺ نے (نماز سے فراغت کے بعد) فرمایا:"یہ کلمات کس نے کہے؟"(اورنسائی کی روایت میں ہے کہ دوران نماز جو کلمات سنائی دئے ہیں ان کا کہنے والا کون ہے؟) تو لوگوں میں سے اس شخص نے کہا: اللہ کے رسول میں نے ،آپ ﷺ نے فرمایا:"مجھے تعجب ہوا کہ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے گئے[اورنسائی کی روایت میں ہے بارہ فرشتے جلدی کررہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لے جائے] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تب سے ان کلمات کو پڑھنا کبھی نہیں چھوڑا"[مسلم:-کتاب المساجد:باب ما یقول بین تکبیرة الاحرام والقرأة،رقم (۶۰۱) نسائی مع تحقیق الألبانی:-کتاب الافتتاح: باب القول الذی یفتتح به الصلوٰة، رقم الحدیث(۸۸۵)وصححه الألبانی]۔

اس حدیث میں جو دعاء مذکور ہے وہ بالاتفاق دعاء ثناء ہے، چنانچہ امام نسائی نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: ''**باب القول الذی یفتتح به الصلوٰة**'' یعنی ''اس دعا کا بیان جس کے ذریعہ نماز شروع کی جائے''، اور مسلم میں موجود اس حدیث پر امام نووی نے یہ باب قائم کیا ہے: ''**باب ما یقول بین تکبیرة الاحرام والقرأة**'' یعنی ''اس بات کا بیان کہ نمازی تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے کیا پڑھے''، نیز نماز پر کتاب لکھنے والے جتنے بھی مصنفین نے اس حدیث کو بیان کیا ہے سبھوں نے اسے دعاء ثناء کے محل میں ذکر کیا ہے مثال کے طور پر دیکھئے: ''**صفة صلاة النبی**'' **للألبانی** (عربی) ص ۸۲، (ترجمہ شیخ عبدالباری) ص ۵۶۔ ''نماز نبوی'' از سید شفیق الرحمان ص ۱۴۶، خلاصہ یہ کہ مذکورہ دعاء بالاتفاق ثناء کی دعاء ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اس حدیث میں بھی اللہ کے نبی ﷺ نے صرف ایک ہی صحابی کے بارے میں کہا کہ ''**من القائل کلمة کذا وکذا**'' یعنی یہ کلمات کس نے کہے؟ اور نسائی کی روایت میں ہے ''**من صاحب الکلمة**'' یعنی دوران نماز جو کلمات سنائی دئے ہیں ان کا کہنے والا کون ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں بھی اللہ کے نبی ﷺ کے پیچھے صرف ایک ہی صحابی کی آواز بلند ہوئی تھی، لیکن یہاں یہ چیز نماز کے ابتدائی حصے یعنی دعاء ثناء کے وقت پیش آئی، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے وقت ''دعاء ثناء'' کے علاوہ کسی اور دعاء مثلاً دعاء قومہ وغیرہ میں کسی ایک بھی صحابی کی آواز بلند نہیں ہوئی تھی، لہٰذا یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کے پیچھے تمام صحابہ دعاء قومہ کو آہستہ ہی پڑھتے تھے۔

نوٹ:- اس سلسلے کی دیگر احادیث کے لئے دیکھئے ہماری مفصل کتاب: **ارشاد العبد الی اخفاء ربنالک الحمد۔**

اجماع امت:

''ربنالک الحمد'' کو بالجہر پڑھنے کا رواج ماضی قریب میں ہوا ہے، اور وہ بھی صرف ایک جماعت اور ان میں بھی صرف چند ہی لوگوں کے بیچ، اس کے برخلاف حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ، اور دیگر تمام فرقوں کے یہاں اس مسئلہ کا نام ونشان تک نہیں ہے، سلف صالحین، صحابہ وتابعین کے ادوار میں اس مسئلہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا، عہد صحابہ سے لیکر عصر حاضر تک حدیث وفقہ اور تفسیر قرآن کا جتنا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے کسی میں بھی اس مسئلہ کی جانب ادنیٰ اشارہ تک نہیں، قرآن کے بعد سب سے معتبر کتاب ''صحیح بخاری'' ہے، اس میں ہمیں یہ ابواب تو نظر آتے ہیں: ''باب جھر الامام بالتامین''، ''باب جھر الماموم بالتامین'' مگر ''باب الجھر باللھم ربنا لک الحمد''، یعنی دعاء قومہ کو بلند آواز سے پڑھنا، اس کے اثبات میں کوئی باب نظر نہیں آتا، حالانکہ دعاء قومہ میں جہر کے قائلین جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں وہ صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

حیرت ہے کہ امام بخاری جن کے بارے میں ''امام الدنیا فی فقہ الحدیث'' اور ''فقہ البخاری فی تراجمہ'' کہا گیا ہے، ان کے ذہن کی رسائی بھی اس مسئلہ تک نہ ہو سکی جسے آج پیدا کیا جا رہا ہے، امام بخاری پر کیا موقوف دنیا کے کسی محدث نے بھی دعاء قومہ میں جہر کا فتویٰ نہیں دیا ہے، عصر حاضر کے سب سے متأخر محدث علامہ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ ہیں انہوں نے صفۃ صلوٰۃ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اس کتاب میں یہ مسئلہ تو مل جائے گا کہ ''آمین بآواز بلند کہنا چاہئے'' مگر ''ربنالک الحمد'' بلند آواز سے پڑھنا، اس کا بیان کیا نام ونشان تک نہ ملے گا، بلکہ ''اصل صفۃ الصلوٰۃ'' کی بعض کی عبارات سے لگتا ہے کہ علامہ البانی کے نزدیک ربنا لک الحمد کا آہستہ پڑھنا متفق علیہ مسئلہ ہے، دیکھئے: ہماری مفصل کتاب: ارشادالعبد الی اخفاء ربنالک الحمد۔

آخر یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ جس مسئلہ کا سراغ چودہ سو سال کے محدثین کی پوری جماعت نہ لگا سکی اسے آج پیدا کیا جا رہا ہے، قرون مشہود لہا بالخیر اور اس کے بعد کے ادوار میں کسی کا اس مسئلہ کو بیان نہ کرنا، اور نہ ہی اس پر کسی کے عمل کا منقول ہونا اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ ان ادوار میں عملی یا

قولی کسی بھی شکل میں اس مسئلہ کا وجود نہیں تھا، بلکہ سب کا اس بات پر اتفاق واجماع تھا کہ ''**ربنالک الحمد**'' آہستہ ہی پڑھیں گے، غور کیجئے کہ سلف آمین بالجہر پر عمل کرتے تھے اور یہ ہم تک منقول ہو گیا، پس اگر وہ ''**ربنالک الحمد**'' بھی بالجہر پڑھتے تو یہ بھی ہم تک نقل ہو جاتا، لیکن اس سلسلے میں سلف سے کچھ منقول نہ ہونا اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ سلف صالحین متفقہ اور اجماعی طور پر اس دعاء کو آہستہ ہی پڑھتے تھے، مولانا محمد داؤد ارشدؔ صاحب لکھتے ہیں:

''مقتدی کا **تکبیرات وغیرہ** کا بلند کہنا ثابت نہیں، پوری امت محمدیہ کا **نسل درنسل تواتر** سے مقتدی کا آہستہ کہنا ہی عمل ہے'' [تحفۂ حنفیہ: ص ۴۸۵]۔

''ربنالك الحمد'' آهسته پڑھنے کی فضیلت اور اس کے اسباب:

دعاؤں کو آہستہ پڑھنے میں بڑی فضیلت ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات کو ثابت کر کے اس کے دس اسباب بھی گنائے ہیں جنہیں ذیل میں اختصار کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے:

(۱): آہستہ دعا کرنا قوت ایمان کی دلیل ہے، کیونکہ دریں صورت دعاء کرنے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آہستہ دعا کو بھی سنتا ہے۔

(۲): آہستہ دعا کرنے میں حد درجہ ادب وتعظیم ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ آہستہ دعا کو بھی سنتا ہے تو بلا وجہ اللہ کے سامنے شور مچانا بے ادبی ہے۔

(۳): آہستہ دعا پڑھنے میں خشوع وخضوع زیادہ ہوتا ہے، گویا کہ دعاء کرنے والے پر اس قدر رقت طاری ہے کہ اس کی زبان ٹوٹ چکی ہے، اور اس کی آواز بند ہوگئی ہے۔

(۴): آہستہ دعا پڑھنے میں اخلاص وللّٰہیت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں ریاء ونمود کا امکان نہیں

(۵): آہستہ دعا کرنے سے دعاء کرنے والے کا دل پورے طور سے اللہ کی جانب لگا ہوتا ہے اور باآواز بلند دعاء پڑھنے سے دل منتشر ہو جاتا ہے۔

(۶): آہستہ دعا پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ دعا کرنے والا خود کو اللہ تعالیٰ سے بہت قریب تصور کرتا ہے، اور باآواز بلند دعاء پڑھنے میں یہ بات نہیں ہوتی۔

(۷): آہستہ دعا کرنے سے دعاء کرنے والا اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا، جبکہ باآواز بلند دعاء پڑھنے سے دعاء کرنے والا اکتا جاتا ہے اور دعاء کی روحانیت ختم ہو جاتی ہے۔

(۸): دعاء باآواز بلند پڑھنے سے دعاء کرنے والا تشویش کا شکار ہو جاتا ہے، اس سے دعاء کا اثر کم ہو جاتا ہے، لہٰذا آہستہ دعاء پڑھنا چاہئے۔

(۹): دعاء یہ ایک عظیم نعمت ہے اور ہر نعمت کے حاسدین ہوا کرتے ہیں، اور حاسدین سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ اس نعمت کو پوشیدہ رکھا جائے یعنی اسے آہستہ پڑھا جائے۔

(۱۰): دعاء میں عجز وانکساری وگریہ وزاری کا حکم دیا گیا ہے یہ چیز آہستہ دعا کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے [مجموعة الفتاویٰ لابن تیمیة: ج ۸ ص ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵]۔

واضح رہے کہ یہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام کا ترجمہ نہیں بلکہ محض خلاصہ ہے، تفصیل کے لئے اصل کتاب دیکھیں جس میں علامہ موصوف کا کلام تین صفحات پر پھیلا ہوا ہے،

نیز ملاحظہ ہو: **ارشاد العبد الی اخفاء ربنالک الحمد۔**

’’ربنالك الحمد‘‘ بآواز بلند پڑھنے کے مزعومہ دلائل

جولوگ ’’ربنالک الحمد‘‘ کو بلند آواز سے پڑھتے ہیں اوردوسروں کواس کی ترغیب دلاتے ہیں ، وہ اپنے حق میں کچھ دلائل پیش کرتے ہیں، مگر حقیقت میں یہ دلائل نہیں بلکہ محض شبہات ہیں جنہیں غلط فہمی سے دلائل سمجھ لیا گیا ہے، ذیل میں ان شبہات کاازالہ پیش کیا جارہا ہے:

دلیل نمبر(۱)

’’ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ مبارک اپنے کولھوں تک اٹھاتے تھے اوراس طرح جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو بھی اسی طرح ہاتھ مبارک اٹھاتے اور’’**سمع الله لمن حمده ربنا لک الحمد**‘‘ کہتے، اورسجدوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے،(**صحیح بخاری**) ‘‘[’’نشاط العبد بجهر ربنالك الحمد‘‘ ص ٢٦ - ٢٧ ، ازعلامہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ]۔

تقریر استدلال: اس حدیث اوراس جیسی دیگر احادیث سے دوطرح استدلال کیا جاتا ہے کہ **ربنالک الحمد** بآواز بلند پڑھنا چاہئے:

(الف) :اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہر سے نہیں پڑھا تھا تو صحابی نے بیان کیسے کیا،اور صحابی کو معلوم کیسے ہوا؟ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہر ہی سے پڑھا تھا کیونکہ صحابی کو معلوم ہونے کی کوئی اور وجہ نہیں ہے،[نشاط العبد: ص ٢٦ ودیگر صفحات]۔

(ب):ابن عمر رضی اللہ عنہ دونوں جملوں (**سمع الله لمن حمده ربنا لک الحمد**) کو اکٹھا بتاتے ہیں اور یہ ہرگز درست نہیں کہ پہلے جملے کو جہر پر اور دوسرے کو سر پر محمول کیا جائے ،اس تفریق پر کوئی دلیل نہیں ہے،[نشاط العبد:ص ٢٧]۔

جواب: اب سلسلہ وار ان شبہات کے جوابات ملاحظہ فرمائے:

(الف):- اگر صحابی کو معلوم ہونے اوراس کے بیان کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ دعاء بآواز بلند پڑھی گئی تھی اور اسے بآواز بلند ہی پڑھا جائے گا تو ایسی صورت میں پوری نماز تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام تک بآواز بلند پڑھنا پڑے گا، کیونکہ صحابہ نے صرف قومہ ہی کی دعاء بیان نہیں کی ہے بلکہ رکوع، سجود، جلسہ، تشہد اور درود وغیرہ کی دعاؤں کو بھی بیان کیا ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم کی درج ذیل حدیث:

"عن علی بن أبی طالب رضی الله عنه: عن رسول الله ﷺ انه کان اذا قام الی الصلوٰۃ (وفی روایة اذا قام الی الصلوٰۃ المکتوبة) قال: وجهت وجهی للذی فطر السماوات والأرض. واذا رکع قال: "اللهم! لک رکعت، وبک آمنت ولک أسلمت، خشع لک سمعی و بصری ومخی و عظمی وعصبی" واذا رفع رأسه من الرکوع قال: "اللهم ربّنا! لک الحمد، ملأ السماوات والأرض، وما بینهما، وملأ ماشئت من شئ بعد". واذا سجد قال: "اللهم! لک سجدت، وبک آمنت ولک أسلمت، سجد وجهی للذی خلقه وصوره و شق سمعه وبصره، فتبارک الله أحسن الخالقین". ثم یکون من آخر مایقول بین التشهد والتسلیم: "اللهم! اغفر لی ...الحدیث.

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو کہتے: (اور ایک روایت میں ہے کہ جب فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو کہتے) "**وجهت وجهی للذی فطر السماوات والأرض...** اور جب رکوع کرتے تو کہتے: **اللهم! لک رکعت، وبک آمنت ولک أسلمت، خشع لک سمعی وبصری ومخی وعظمی وعصبی**" اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے: "**اللهم ربّنا! لک الحمد، ملأ السماوات والأرض، وما بینهما وملأ ما شئت من شئ بعد**"، اور جب سجدہ کرتے تو کہتے: "**اللهم! لک سجدت وبک آمنت ولک أسلمت، سجد وجهی للذی خلقه وصوره وشق سمعه وبصره فتبارک الله أحسن الخالقین**"، پھر آپ اخیر میں تشہد اور سلام کے درمیان یہ کہتے: "**اللهم! اغفر لی**... الی آخر

الحدیث‘‘ [مسلم:-کتاب صلوۃالمسافرین وقصرھا:باب الدعاء فی صلوۃ اللیل و قیا مه،،رقم الحدیث(۷۷۱)،سنن الترمذی:-کتاب الدعوات: رقم الحدیث (۳۴۲۳)قال الترمذی والألبانی: حسن صحیح]۔

غور کیجئے جس طرح اوپر راشدی صاحب کی مستدل حدیث میں ہے:’’ **قال: سمع اللہ لمن حمدہ ربنالک الحمد**‘‘ ٹھیک اسی طرح اس حدیث میں بھی ہے:**قال: ’’اللھم ربّنا! لک الحمد**‘‘ لیکن اس حدیث میں یہ اسلوب صرف دعاء قومہ ہی کے لئے نہیں بلکہ یہاں ثناء، رکوع، سجود، اورتشہد کی دعاء کو بھی اسی اسلوب میں بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اگر ایک جگہ اس اسلوب سے بیان کردہ دعاء میں جہر کی دلیل ہے تو اسی اسلوب سے بیان کردہ دیگر مقامات میں بھی جہر کی دلیل ہونی چاہئے، پھر دریں صورت تو نماز کی ساری ہی دعائیں بالجہر پڑھنی پڑیں گی، اب فریق دوم بتلائیں کہ وہ اس حدیث کے ہوتے ہوئے ثناء، رکوع، سجود، اورتشہد وغیرہ کی دعاؤں کو بلند آواز سے کیوں نہیں پڑھتے؟ فریق دوم جو بھی جواب اس حدیث اوراس جیسی دیگر احادیث کا دیں گے وہی جواب ہمارا اس حدیث کا بھی ہوگا۔ اس جیسی دیگر احادیث کے لئے دیکھیں:-**بخاری:**-۷۹۴،**مسلم:**-۴۸۴، ۴۸۷، ۴۸۹، (۷۰۹☆)، (۷۷۲)۔**نسائی بترقیم أبی غدہ:** -(۱۰۰۸)، (۱۰۴۶)، ۱۰۴۷، (۱۰۴۹)، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، (۱۰۶۹☆)، ۱۱۰۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۳۰☆، (۱۱۳۲)، (۱۱۴۵)۔**ترمذی:**-(۲۶۲)، ۲۸۴۔**ابوداؤد:**-(۸۷۱)، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۸۷، ۸۷۸۔**ابن ماجہ:**-۸۸۸☆، ۸۸۹، ۸۹۷، ۸۹۸ وغیرہ ذالک کثیر..جونمبرات قوسین میں ہیں ان میں صراحت ہے کہ راوی آپ ﷺ کے ساتھ حالت نماز میں تھے، اور جن نمبرات کے ساتھ ☆ ہے ان میں راوی کے سماع کی صراحت ہے یعنی راوی نے کہا ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو نماز میں یہ دعاء پڑھتے ہوئے سنا۔

اب کیا ان دعاؤں کو بھی بآواز بلند پڑھا جائے گا؟ پھر تو پوری نماز ہی جہراً ہو جائے گی، اور اگر نہیں تو ان حدیثوں کا جو مطلب بھی بیان کیا جائے وہی مطلب ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی سمجھ لیں۔

(ب) :- یہ بات کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ دونوں جملوں (**سمع الله لمن حمده ربنالک الحمد**) کو اکٹھا بتاتے تھے، پھر اس سے یہ استدلال کہ دونوں کو جہر پڑھا جائے گا، اس سلسلے میں عرض ہے کہ جس طرح یہاں تسمیع (**سمع الله لمن حمده**) اور تحمید (**ربنالک الحمد**) اکٹھے مذکور ہیں، ٹھیک اسی طرح بعض روایات میں تکبیر تحریمہ اور دعاء ثناء بھی اکٹھے ہی مذکور ہیں، ملاحظہ ہو:

"**کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام للصلوة: قال: الله اكبر ، وجهت وجهي للذي فطر السمٰوٰت والأرض حنيفا وماأنامن المشركين** ... [مسند البزار: ج٢ ص١٦٨ رقم ٥٣٦ من حديث علي واسناده صحيح على شرط مسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعاء فرض اور نفل ساری نمازوں میں پڑھتے تھے دیکھئے: صفة الصلوة للألباني: ص ٨١ عربی]۔

اب بتلائے کہ اس روایت سے متعلق مذکورہ طرز استدلال کا کیا تقاضا ہے؟ کیا دعاء ثناء بھی بآواز بلند پڑھیں گے؟ آخر یہاں بھی تو تکبیر تحریمہ اور دعاء ثناء اکٹھے ذکر ہوئے ہیں! اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ پہلے کو جہر اور دوسرے کو سر پر محمول کرنا درست نہیں! **فماكان جوابكم فهو جوابنا**۔

اور لطف تو یہ ہے کہ راشدی صاحب نے اپنی تائید میں درج ذیل اثر نقل فرمایا ہے:

"**كان محمد يقول اذاقال سمع الله لمن حمده قال من خلفه سمع الله لمن حمده اللهم ربنالك الحمد** [ابن أبي شيبه: ٢٢٧/١ رقم ٢٦٠٠، نشاط: ص ٤٩]۔

ہم کہتے ہیں ذرا اس اثر میں غور کریں، اس میں بھی "**سمع الله لمن حمده اللهم ربنا لك الحمد**" اکٹھے مذکور ہے، لیکن امام کے لئے نہیں بلکہ مقتدی کے لئے، اور محترم راشدی رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدیوں کو "**ربنالک الحمد**" بآواز بلند پڑھنا چاہئے، اب بتلائیں کہ کیا مقتدی حضرات **سمع الله لمن حمده** بھی بآواز بلند پڑھیں گے؟ کیونکہ دونوں اکٹھے مذکور ہیں! اور آپ کے بقول ایک کو جہر دوسرے کو سر پر محمول نہیں کر سکتے، چنانچہ شیخ راشدی رحمہ اللہ بھی ایسا نہیں کر سکے کہ اس اثر میں **سمع الله لمن حمده** کو سرا اور **اللهم ربنا لك الحمد** کو جہر پر محمول کریں، بلکہ موصوف نے اپنے اصول سے مجبور ہو کر دونوں کو جہر پر محمول کیا ہے، لیکن **سمع الله لمن حمده** کو جہر پر محمول

کرنے کے بعد یہ کہتے ہوئے اس سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں:

''**سمع الله لمن حمده** میں ان (محمد بن سیرین) کا قول حجت نہیں، کیونکہ تابعی کا قول کسی کے یہاں حجت نہیں، ہاں ان کا قول تائیداً پیش کیا جا سکتا ہے، سو جملہ دوم (**اللهم ربنا لک الحمد**) کے لئے تو احادیث وآثار ثابت ہیں مگر جملۂ اولی (**سمع الله لمن حمده**) کے لئے نہیں ہیں'' [نشاط العبد: ص۴۹]۔

گویا کہ موصوف کے نزدیک محمد بن سیرین مذکورہ اثر میں مقتدیوں کو **سمع الله لمن حمده** اور **اللهم ربنا لک الحمد** دونوں جہر سے پڑھنے کی تعلیم دے رہے ہیں، قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیے کہ علامہ راشدی رحمہ اللہ کس قدر تکلف سے کام لے رہے ہیں اور محمد بن سیرین کی طرف کیسی عجیب منسوب کررہے ہیں، غور کریں کہ آخر جب پوری امت **سمع الله لمن حمده** سراً پڑھنے پر متفق تھی اور ہے، تو انہوں نے اسے جہراً پڑھنے کا شوشہ کہاں سے چھوڑ دیا؟ ہم تو کہتے ہیں کہ یہ محمد بن سیرین پر محض الزام ہے، دنیا کے کسی بھی محدث نے ابن سیرین کے اس قول کا یہ مفہوم ہرگز مراد نہیں لیا ہے، دراصل مذکورہ تمام روایات میں راوی کا مقصود دعاؤں کا تذکرہ ہے نہ کہ جہر یا سر کے مسائل بیان کرنا، لہٰذا کسی دعاء کو علیحدہ ذکر کیا جائے دیگر دعاؤں کے ساتھ ذکر کیا جائے اس سے جہر وسر کے مسائل پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

یہاں تک ہم نے پیش کردہ حدیث پر قائم کئے گئے دونوں استدلالوں کا الگ الگ جواب دے دیا ہے، اب ذیل میں ہم کچھ اور جوابات تحریر کرتے ہیں۔ جن کا تعلق بیک وقت مذکورہ دونوں استدلالات سے ہے:

أولاً:

پیش کردہ حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا جو عمل منقول ہوا ہے وہ آپ ﷺ کا دائمی عمل ہے چنانچہ اسی حدیث سے اہل حدیث رکوع کے بعد رفع الیدین ثابت کرتے ہیں اور لفظ ''کان'' سے ہمیشگی پر استدلال کرتے ہیں، اور احناف اس حدیث کو منسوخ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے یہ عمل شروع شروع میں کیا تھا، بہرحال اس بات پر تو سبھی کا اتفاق ہے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ کی جن نمازوں

کی کیفیت بیانی ہوئی ہے،ان میں آپ ﷺ کی ابتدائی نمازیں قطعی طور پر شامل ہیں گویا کہ اس حدیث سے جہر کا جو مسئلہ ثابت کیا گیا ہے اس پر آپ ﷺ شروع ہی سے عمل پیرا تھے اور اگر یہ بات ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ربنا جہراً پڑھنے کا حکم شروع ہی سے تھا۔

پھر یہ دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے کہ صحابۂ کرام نے آپ ﷺ کے اس طریقے کو جانتے ہوئے اس پر عمل کیوں نہ کیا؟ حالانکہ صحابۂ کرام آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کے سب سے زیادہ حریص تھے! نیز یہ حکم بھی موجود تھا کہ "صلوا کما رأیتمونی أصلی" [بخاری٧٢٤٦]بلکہ علامہ راشدی رحمہ اللہ کے بقول صحابہ کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ انھوں نے آپ ﷺ کے طریقے کو جان لینے کے باوجود اس پر عمل نہ کیا،صحابہ کے بارے میں سوءظن ہے،[نشاط العبد: ص ٣٠] بلکہ ایسا گمان ان میں قدح کا موجب ہے،[نشاط :ص٣٦]۔

اب اس بات کی دلیل ملاحظہ فرمایئے کہ صحابۂ کرام نے آپ ﷺ کی طرف منسوب اس اسوہ پر عمل نہیں کیا:

"رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے،جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھا کر "سمع الله لمن حمده" کہا تو آپ ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے کہا:"ربنا لك الحمد حمدًا كثيرًا طيبًا مباركًا فيه" آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا:"(نماز میں) کون بول رہا تھا؟"تو اس شخص نے کہا: میں،اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:"میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا سبھی جلدی کر رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لکھے" [بخاری:-کتاب الاذان:رقم الباب (١٢٦) ،رقم الحدیث(٧٩٩)]۔

اس حدیث کے راوی رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ عنہ یہ انصاری صحابی ہیں ان کے خاندان میں سب سے پہلے ان کے والد نے اسلام قبول کیا،اپنے والد کے بعد انھوں نے اپنی والدہ کے ساتھ ١٢ نبوی میں اسلام قبول کیا۔[تھذیب التھذیب: ج٣ ص ٢٤٣ رقم ٥٣٠، نیز ملاحظہ ہو: صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا:ص ٤١٢ از ذوالفقار کاظم] چونکہ یہ انصاری صحابی ہیں اور رسول اکرم کے ساتھ اپنی با جماعت نماز کا واقعہ بیان

کررہے ہیں لہٰذا ظاہر ہے کہ یہ واقعہ مدینہ میں مسجد نبوی کا ہے، اور نماز کی فرضیت آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے قبل مکہ ہی میں واقعہ معراج میں ہوئی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ فرضیت نماز کے بعد سے لیکر اس واقعہ کے پیش آنے تک تمام صحابۂ کرام **ربنالک الحمد** سراًہی پڑھتے تھے، یہ بات ذہن نشین رہے کہ رفاعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خاص واقعہ نقل کیا ہے جو پہلی بار پیش آیا تھا اور رفاعہ خود اس میں موجود تھے جب کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا دائمی عمل نقل کیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی پوری زندگی میں "**ربنالک الحمد**" ایک ہی طرح پڑھا جانا منقول ہے آپ ﷺ نے قولاً یا فعلاً کبھی بھی اس میں دوطرح کی تعلیم نہیں دی ہے لہٰذا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا جو عمل بیان کیا ہے وہ آپ ﷺ کا شروع سے لیکر اخیر تک دائمی عمل ہے۔

اب حدیث رفاعہ میں غور کیجئے، راشدی صاحب اور ان کے مؤیدین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بارے میں بالکل صریح ہے کہ آپ ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے بآواز بلند **ربنالک الحمد** پڑھا، [نشاط:العبد ص ۲۸]۔

ہم کہتے ہیں کہ ساتھ ہی ساتھ یہ حدیث اس بارے میں بھی بالکل صریح ہے کہ آپ ﷺ کے پیچھے ایک صحابی کے علاوہ کسی اور صحابی نے یہ دعاء جہر سے نہیں پڑھی، کیونکہ آپ ﷺ نے نماز کے بعد صرف ایک ہی شخص کے بارے کہا کہ: **من المتکلم ؟** (نماز میں کون بول رہا تھا؟) معلوم ہوا کہ یہ صرف ایک ہی شخص کا عمل تھا، چنانچہ راشدی صاحب نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ صرف ایک ہی صحابی کا عمل تھا[نشاط:ص ۲۹]

اب سوال یہ ہے کہ اگر پیش کردہ مذکورہ حدیث میں **ربنالک الحمد** جہر سے پڑھنے کی دلیل تھی اور آپ ﷺ شروع ہی سے اس پر عمل پیرا تھے تو اس واقعہ میں ایک صحابی کو چھوڑ کر بقیہ تمام صحابہ نے **ربنالک الحمد** سراً کیوں پڑھا؟ اور اس واقعہ میں بھی جس صحابی نے جہر سے پڑھا تھا انھوں نے صرف پہلی رکعت میں جہر کیا تھا بقیہ رکعتوں میں وہ اور ان کے ساتھ تمام صحابہ نے سراًہی پڑھا، سوال یہ ہے کہ اس واقعہ سے قبل اور اس واقعہ میں صحابۂ کرام نے **ربنالک الحمد** سراًہی پڑھا، آخر کیوں؟

جبکہ ان کے سامنے آپ کا طریقہ وعمل موجود تھا؟ اس سوال کا دو ہی جواب ہوسکتا ہے، یا تو یہ کہا جائے کہ صحابۂ کرام نے آپ ﷺ کے عمل کو بہتر نہیں سمجھا اور آپ کے فرمان ''**صلوا کما رأیتمونی أصلی**'' کے ہوتے ہوئے بھی آپ ﷺ کی مخالفت کی، یا یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ **ربنالک الحمد** سراً ہی پڑھتے تھے لہٰذا اصحابۂ کرام کا عمل آپ ﷺ کے عمل کے بالکل موافق تھا۔

پہلی بات کہنا صحابہ کرام کی شان میں واضح گستاخی ہے، اور دوسری بات کہنے سے صحابہ کرام کا عمل رسول اکرم ﷺ کے عمل کے مطابق اور فرمان رسول صلوا کما رأیتمونی أصلی کے عین موافق قرار پاتا ہے، لیکن اس صورت میں ابن عمر کی پیش کردہ مذکورہ حدیث میں اس بات کی دلیل نہیں رہ جاتی ہے کہ آپ ﷺ جہراً **ربنالک الحمد** پڑھتے تھے، اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ وہ کس بات کو اپنائیں گے، پہلی یا دوسری؟ رہی یہ بات کہ اس واقعہ کے بعد صحابہ کرام کا عمل کیا تھا تو اس کی وضاحت آگے آرہی ہے، یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ اوپر پیش کردہ حدیث میں جہر کی دلیل نہیں ہے۔

ثانیاً:

یہ حدیث صرف فرض نمازوں کے لئے اور امام ومقتدی ہی کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ حدیث عام ہے جس میں فرض نمازیں، نفل نمازیں، سب شامل ہیں اسی طرح یہ امام ومقتدی اور منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والے) سب کے لئے ہے، لہٰذا اگر اس حدیث میں امام ومقتدی کے لئے دعاء قومہ بالجہر کا ثبوت ہے، تو اس میں منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والے) کے لئے بھی دعاء قومہ بالجہر کا ثبوت ماننا لازمی ہے، اسی طرح سنن ونوافل میں بھی اس پر عمل ہونا چاہئے کیونکہ مذکورہ حدیث ان نمازوں کو بھی شامل ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ اس سے صرف باجماعت نمازوں میں دعاء قومہ بالجہر پر استدلال کیا جاتا ہے، حالانکہ اس حدیث کی رو سے تنہا فرض پڑھنے والے نیز سنن ونوافل ادا کرنے والے کو بھی دعاء قومہ بآواز بلند پڑھنا چاہئے۔

اور لطف تو یہ ہے کہ دعاء قومہ بالجہر کے قائلین کی مستدل احادیث میں سے ایک حدیث میں بالکل

صراحت ہے کہ یہ حالت تمام نمازوں میں ہوتی تھی، خواہ وہ فرض ہوں یا نہ ہوں، رمضان کا مہینہ ہو یا کوئی اور، اس کے باوجود بھی قائلین جہراس سے صرف باجماعت نماز میں ہی استدلال کرتے ہیں، چنانچہ محمد امیر علی صاحب نے اپنے موقف کی دوسری دلیل دیتے ہوئے اسی طرح کی درج ذیل حدیث پیش کی ہے:

''ابوسلمہ بن عبدالرحمان فرماتے ہیں: ''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تمام نمازوں میں تکبیر کہا کرتے تھے **خواہ وہ فرض ہوں یا نہ ہوں رمضان کا مہینہ ہو یا کوئی اور مہینہ ہو،** چنانچہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، رکوع میں جاتے تو تکبیر کہتے، پھر ''سمع الله لمن حمده'' کہتے، اس کے بعد ''ربنالک الحمد'' کہتے ''...الخ (بخاری: کتاب الصلوٰة، باب يهوى بالتكبير حين يسجد) [جریدہ ترجمان: جلد ۲۸ شمارہ ۶ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ ، مارچ ۲۰۰۸ء ص ۱۰۔ نیز ملاحظہ ہو رسالہ: ''نماز کی متروکہ سنتوں کا احیاء اور بعض اہم مسائل'' ص ۱۰]۔

خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے یہاں یہ صراحت ہے کہ یہ حالت تمام نمازوں کی تھی، اس کے باوجود بھی اس سے صرف مخصوص نمازوں ہی میں استدلال کیا جارہا ہے، ہم کہتے ہیں کہ اگر ان احادیث میں منفرد اور سنن ونوافل ادا کرنے والے کے لئے دعاء قومہ بآواز بلند پڑھنے کی دلیل نہیں ہے تو ان احادیث کی رو سے باجماعت نماز ادا کرنے والا بھی بلند آواز سے دعاء قومہ نہیں پڑھ سکتا۔

دلیل نمبر (۲)

''عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده. فقولوا اللهم ربنالک الحمد فانه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ماتقدم من ذنبه،

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم اللهم ربّناولک الحمد کہو، کیونکہ جس کا قول فرشتوں کے کہنے سے موافق ہو گیا اس کے گذشتہ گناہ

معاف کردئے جائیں گے، (بخاری)''، ["نشاط العبدبجهر ربنالك الحمد" ص ۱۰]۔

شیخ راشدی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ: **والقول اذا وقع به الخطاب مطلقاً حمل على الجهر و متى أريد به الاسرار أو حديث النفس قيد بذالک.**

جب مطلقاً (بلاقید سر) قول سے خطاب وارد ہو، جہر ہی پر محمول ہوگا، اور جب آہستہ یا دل میں پڑھنا مراد ہوتا ہے تو ایسی قید لگائی جاتی ہے'' ["نشاط العبدبجهر ربنالك الحمد" ص ۱۰، ۱۱]۔

جواب:

اولاً:

مذکورہ حدیث کا جو اصل مقصود ہے اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، دراصل اس حدیث کا اصل مقصود و مدعا یہ ہے کہ مقتدی کی تحمید (ربّنا لک الحمد) امام کی تسمیع (**سمع الله لمن حمده**) کے بعد ہونی چاہئے، گویا کہ اس حدیث میں **ربّنا لک الحمد** کہنے کا موقع ومحل بتلانا مقصود ہے۔

اس حدیث کا یہ مقصد مراد لینا اس لئے بھی ضروری ہے کیونکہ اس میں اللہ کے نبی ﷺ نے مقتدی کے لئے **سمع الله لمن حمده** کہنے کا حکم نہیں دیا ہے اور نہ ہی امام کے لئے **ربّنا لک الحمد** پڑھنے کی تعلیم دی ہے، لہٰذا اگر یہ مان لیا جائے کہ اس کے ذریعہ اللہ کے نبی ﷺ دعاء کے الفاظ اور اس کی کیفیت سکھلا رہے ہیں تو یہ لازم آئے گا کہ مقتدی کے لئے **سمع الله لمن حمده** کہنا اسی طرح امام کے لئے **ربّنا لک الحمد** کہنا مشروع نہیں ہے، چنانچہ بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہی بات کہی ہے لیکن محدثین نے ان کا جواب دیتے ہوئے یہی کہا کہ اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ امام یا مقتدی کے لئے دعاء نہیں سکھلا رہے ہیں بلکہ دعاء پڑھنے کا موقع و محل بتلا رہے ہیں، [مرعاۃالمفاتیح ۱۸۸/۳، فتح الباری: ۳۶۱/۲شرح الحدیث ۷۹۷ یہی بات علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے، دیکھیں: صفة صلاة النبی (عربی) ص ۱۱۸]۔

اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس حدیث میں آگے کہا: **فانه من وافق**

قوله قول الملا ئكة غفر له ما تقدم من ذنبه (کیونکہ جس کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے ساتھ ہوگا اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دئے جائیں گے)غور کیجئے اللہ کے نبی ﷺ نے...**اذا قال ... فقولوا...** کے ذریعہ جو کچھ بھی حکم دیا اس کا فائدہ یہ بتایا کہ فرشتوں کی موافقت حاصل ہو جائے ،اور یہ موافقت زمان ووقت ہی میں میں مطلوب ہے جیسا کہ محدثین نے صراحت کی ہے[مرعاۃ المفاتیح:۱۹۰/۳، تحفۃ الاحوذی بشرح الترمذی :ج ۲ص ۱۱۵]

معلوم ہوا کہ موافقت سے مراد زمان و وقت میں موافقت ہے پس اسی موافقت کے حصول کا طریقہ اللہ کے نبی ﷺ نے مذکورہ حدیث میں بتلایا ہے،لہٰذا اس حدیث کا وہ مفہوم نہیں ہے جسے فریق دوم سمجھ رہے ہیں بلکہ اس حدیث کا اصل مقصود ومدعا یہ ہے کہ فرشتے ’’**اللھم ربّنا ولک الحمد**‘‘ امام کی تسمیع کے بعد پڑھتے ہیں،لہٰذا تم بھی اسی وقت اس دعاء کو پڑھو کیونکہ اگر تمہاری دعاء فرشتوں کی دعاء کے ساتھ پڑھی گئی تو یہ چیز تمہاری مغفرت کا ذریعہ بن جائے گی۔

اور جہاں تک پیش کردہ قائدہ کی بات ہے تو یہ کوئی مسلم قائدہ نہیں ہے اصول فقہ اورقوائد کی کتابوں میں ہمیں یہ قائدہ نہیں ملا، نیز یہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا پیش کردہ قائدہ نہیں ہے بلکہ اسے ’’الزین ابن المنیر ‘‘ نے پیش کیا ہے جسے حافظ ابن حجر نے بغیر کسی تائید کے صرف نقل کیا ہے، دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب قائم کیا ہے کہ ’’**جھر الماموم بالتامین**‘اوراس کے تحت جو حدیث پیش کی ہے اس میں ہے ’’**اذاقال الامام غیر المغضوب علیھم و لاالضالین فقولوا آمین**‘‘

اب اس حدیث کی باب سے مناسبت کیا ہے یہ شارحین بخاری کے لئے ایک مشکل مسئلہ بن گیا اور ہرایک نے اپنی سمجھ کے مطابق باب سے مطابقت بتلانے کی کوشش کی ،ان میں’’الزین ابن المنیر‘‘ بھی ہیں ان کا کہنا ہے کہ جب قول سے مطلق خطاب وارد ہوتو جہر پر دلالت کرتا ہے اور یہاں پر ایسا ہی ہے لہٰذا باب کا مفہوم حدیث سے ثابت ہوگیا،جبکہ دیگر شارحین نے دیگر توجیہات پیش کی ہیں کما فی الفتح ۔اس تفصیل سے واضح ہے کہ ابن المنیر اپنی پیش کردہ توجیہ میں منفرد ہیں، کسی اورمحدث نے ان کی تائید نہیں کی ہے بلکہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے ان کی زبردست تردید کی ہے لکھتے ہیں:

”قلت :المطلق يتناول الجهر والاخفاء ،وتخصيصيه بالجهر والحمل عليه تحكم لا يجوز“
میں کہتا ہوں :قول جب مطلق ہوتا ہے تو جہر واخفاء دونوں کوشامل ہوتا ہے اوراسے جہر کے ساتھ خاص کرنا اوراسی پر محمول کرنا زورزبردستی ہے جو جائز نہیں [عمدة القاری: ٥٢/٦]۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بہت سے مقامات پر مذکورہ قائدہ فٹ نہیں ہوتا چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆**اذاسمعتم النداء فقولوامثل مایقول المؤذن**[بخاری :-کتاب الأذان باب مایقول اذا سمع المنادی،رقم٥٨٦]۔

☆**کان یعلمهم هذاالدعاء کمایعلمهم السورة من القرآن یقول: قولوا اللهم انانعوذ بک من عذاب جهنم...**[مسلم :-کتاب المساجد :باب مایستعاذمنه،رقم٥٩٠]۔

☆**لاتسبوا الریح فاذارأیتم ماتکرهون فقولوااللهم انانسألک من خیر ...** [ترمذی:- کتاب الفتن :باب ماجاء فی النهی عن سب الریاح ،رقم ٢٢٥٢ وصححه الألبانی]۔

☆**اذاأصبحتم فقولوا اللهم بک أصبحنا وبک امسینا...**[ابن ماجه:-کتاب الدعاء: باب مایدعو به الرجل اذاأصبح...رقم٣٨٦٨ وصححه الألبانی]۔

غورکریں ان روایات میں بھی ”قولوا“ سے مطلق خطاب وارد ہےاور مذکورہ قائدہ کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں جہر مراد ہولیکن اس کا کوئی قائل نہیں ،لہٰذا ثابت ہوا کہ مذکورہ قائدہ بے بنیاد ہےاورامام بخاری سے قطعاً امید نہیں کہ آں رحمہ اللہ نے اس بے بنیاد قائدہ کو پیش نظر رکھا ہو،اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ امام بخاری کا تسلیم کردہ اصول ہوتا تو امام بخاری ”قولوا ربنا“ والی حدیث پر بھی اس اصول کو منطبق کرتے اوراس پر بھی باب قائم کرتے کہ ”باب الجهر باللهم ربنا لک الحمد“ کیونکہ یہ حدیث بھی امام بخاری کی شرط پر ہےاور صحیح بخاری میں مذکور بھی ہےاوردونوں حدیثوں کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ راشدی صاحب خود لکھتے ہیں:

”دونوں روایتوں میں ایک جیسے الفاظ ہیں“[نشاط العبد ص١١]۔

اب ہمیں بتلایا جائے کہ جب دونوں روایتوں میں ایک جیسے الفاظ ہیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ پہلی روایت میں آپ کے بقول امام بخاری نے تو یہ اصول منطبق کردیا لیکن دوسری روایت میں اسی اصول کوفراموش کردیا! آخرکیوں؟ جبکہ '' **فقه البخاری فی تراجمه** ''کا تقاضا تھا کہ آپ یہاں بھی اس اصول کونافذ کرتے ،صاف صاف ظاہر ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس بے بنیاد اصول سے کوسوں دور ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر امام بخاری نے اس اصول کونافذ نہیں کیا ہے تو پھر آخرانہوں نے ''**قولوا آمین**'' والی حدیث سے مقتدی کے لئے جہر کیسے ثابت کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے اُن احادیث کوبھی پیش نظر رکھا ہے جن میں مقتدیوں کے آمین بالجہر کی صراحت ہے،اور اِس حدیث میں آمین کہنے کا حکم موجود ہے،لہٰذا اس حدیث کے ساتھ جہر والی احادیث کوبھی ملا کرامام بخاری نے یہ مسئلہ ثابت کیا کہ مقتدی حضرات کی آمین بالجہر ہونی چاہئے یہی آپ ﷺ کا حکم ہے،علامہ عینی رحمہ اللہ اس توجیہ کوراجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''**ویمکن أن یوجه وجه لمناسبة الحدیث بالترجمة وھوأن یقال اما ظاھر الحدیث فانه یدل علی أن الماموم یقولھا و ھذاالانزاع فیه و اماأنه یدل علی جھره بالتامین فلایدل ولکن یستأنس له بماذکره قبل ذلک وھو قوله :أمن ابن الزبیرالی قوله خیرا**''
>
> اورباب سے حدیث کی مناسبت کے لئے یہ توجیہ بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ ظاہری حدیث اس بات پردلالت کرتی ہے کہ مقتدی بھی آمین کہے گا اوراس میں کوئی اختلاف نہیں،لیکن یہ بات کہ اس میں آمین جہرا کہنے کی دلالت ہے تو اس میں ایسی کوئی دلالت نہیں ہے لیکن اس سے قبل ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا جو اثر مذکور ہے اس سے استناس کیا جاسکتا ہے[عمدة القاری:٦/٥٣] ۔

امام بخاری کے اس طرز استدلال پرشیخ راشدی رحمہ اللہ کی بھی نظر تھی اسی لئے موصوف خود ہی سوال اٹھا کرخود ہی جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”سوال: آمین کے لئے دوسری احادیث وارد ہیں یہ ان سے مل کر دلیل بنتی ہے؟
جواب:- اولاً: امام بخاری نے صرف اسی ایک کو دلیل بنایا ہے اور دوسری روایات ان کے شرط پر نہیں تھیں۔ ثانیاً: محدثین اس حدیث کو تنہا بلا تائید دوسری روایات کے، مستقل دلیل مانتے ہیں۔ ثالثاً: وعلی التقدیر مسئلہ فیمانحن کے لئے بھی دوسری روایات موجود ہیں“ [نشاط العبدص ۱۱،۱۲]۔

ہم کہتے ہیں کہ شیخ موصوف کا یہ کہنا کہ ”دوسری روایات ان کے شرط پر نہیں تھیں“ پھر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ امام بخاری نے صرف اسی حدیث کو دلیل بنایا ہے، غلط ہے۔ کیونکہ امام بخاری کا باب کے تحت دیگر احادیث ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ امام بخاری نے قائم کردہ باب میں دیگر احادیث سے استدلال نہیں کیا ہے، صحیح بخاری میں کتنے تراجم ایسے ہیں کہ کئی حصوں پر مشتمل ہیں، لیکن امام بخاری نے بعض ہی سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں اور بقیہ حصوں کے لئے دیگر احادیث سے استدلال تو کیا ہے مگر ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے، اور اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ بعض مقامات پر امام بخاری نے صرف تراجم قائم کردئے ہیں اور ان کے تحت سرے سے کوئی حدیث ہی ذکر نہیں کی ہے، تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری نے بغیر کسی حدیث سے استدلال کئے ہوئے یہ بات کہہ دی ہے؟ ہرگز نہیں! فافہم۔

اور ثانیاً کے تحت شیخ موصوف کا یہ کہنا کہ ”محدثین اس حدیث کو تنہا بلا تائید دوسری روایات کے، مستقل دلیل مانتے ہیں“ تو ہمیں بجز ابن المنیر کے ایسے کسی محدث کا نام اور حوالہ معلوم نہیں اور نہ ہی آں موصوف نے اس طرف کوئی رہنمائی کی ہے نیز بہت سے محدثین نے اسے تنہا دلیل نہیں بھی مانا ہے بلکہ بعض نے تو اس کی تردید بھی کی ہے مثلاً علامہ عینی رحمہ اللہ، اور رہا ثالثاً کے تحت آں جناب کا یہ ارشاد کہ ”وعلی التقدیر مسئلہ فیمانحن کے لئے بھی دوسری روایات موجود ہیں“ تو عرض ہے کہ ان دوسری روایات کی حقیقت اس مضمون میں واضح کردی گئی ہے، خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ قائدہ صرف ابن المنیر کا پیش کردہ ہے نہ تو امام بخاری نے اسے بنیاد بنایا ہے اور نہ ہی دیگر فقہاء ومحدثین نے اسے قبول کیا ہے نیز بہت سی احادیث پر یہ منطبق ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا یہ قائدہ ہی مردود ہے جیسا کہ علامہ عینی نے

صراحت کی ہے۔

ثانیا:

اگراس قائدہ کوتسلیم کرلیا جائے تو معلوم ہونا چاہئے کہ پیش کردہ حدیث،جس میں **ربنا لک الحمد** کے لئے" قولوا" کہا گیا ہے یہی حدیث مسند أحمد اور مستدرک حاکم میں بھی ہے اوراس میں جہاں یہ" قولوا" **ربنا لک الحمد** کے لئے ہے وہیں اسی حدیث میں ٹھیک اس سے پہلے **الله اکبر** کے لئے بھی یہی "قولوا" موجود ہے۔ملاحظہ ہو یہ حدیث:

"عن أبی سعید الخدری قال:قال رسول ﷺ:"اذاقال الامام الله اکبر فقولوا الله اکبر فاذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنالک الحمد

ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"جب امام **الله أکبر** کہے تو تم **الله أکبر** کہو اور جب امام **سمع الله لمن حمده** کہے تو تم **ربنالک الحمد** کہو"[مسند أحمد (۳/۳) المستدرك علی الصحیحین للحاکم واللفظ له:- ۳۳۵/۱،کتاب الصلوٰة:ومن کتاب الامامه وصلاةالجماعة، رقم (۷۷۹) امام حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی ان کی تائید کی ہے،امام ابن خزیمہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے (صحیح ابن خزیمة:۳۵/۳رقم۱۵۷۷) شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے(صحیح الجامع:- ۱۸۲/۱ رقم۷۰٦ طرف الحدیث:اذا قال الامام) اور اپنی کتاب صفة الصلوة(عربی):ص۷٦حاشیہ نمبر۲ میں اسے نقل کیا ہے۔یہ حدیث درج ذیل کتب میں بھی ہے:السنن الکبری للبیهقی(۱٦/۲):-کتاب لحیض(أبواب صفة ا لصلوة):باب کیفیة التکبیر، رقم۲۰۹٦ أیضاًرقم۲۰۹۸،مسندأبی یعلی:۵۰۷/۲ رقم۱۳۵۵، مسندالحارث: ۲۷۱/۱ رقم۱۵۳، مسندعبدبن حمید: ۳۰۳/۱رقم۹۸٤ نیز دیکھئے:ارشادالعبد]۔

اب بتلایا جائے کہ کیا مقتدی حضرات"**الله اکبر**" بھی بآواز بلند پڑھیں گے؟ کیونکہ اس حدیث میں **ربنا لک الحمد** کے لئے"قولوا"کے ساتھ ساتھ" **الله اکبر**" کے لئے بھی "قولوا" موجود ہے،اوردونوں جگہ "قولوا" سے مطلق خطاب وارد ہے،اب جو مفہوم "الله أکبر"

والے ''قولوا'' کا ہوگا وہی مفہوم **ربنالک الحمد** والے ''قولوا'' کا بھی ہوگا، کیونکہ یہ دونوں ایک ہی حدیث میں ایک ہی ساتھ ایک ہی اسلوب وشکل میں وارد ہیں۔

اب دیکھئے راشدی صاحب جس قائدے کو بنیاد بنا رہے تھے اسی قائدہ نے انہیں مصیبت میں ڈال دیا کہ آپ بصورت مقتدی اللہ اکبر بھی جہر سے پڑھیں، ایسا نہیں ہے کہ راشدی صاحب نے اس مصیبت سے نکلنے کی کوشش نہیں کی ہے، کوشش بھرپور کی ہے مگر افسوس کہ کامیابی نہیں ملی، ملاحظہ ہو ان کی کوشش انہیں کی طرف سے اٹھائے گئے سوال وجواب کی شکل میں:

''**سوال**: یہاں اللہ اکبر کے لئے قول سے مطلق خطاب وارد ہے۔ **جواب**: اگرچہ یہاں بظاہر مطلق ہے مگر ایسا قرینہ پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کو تکبیرات آہستہ کہنی چاہئیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے مرض وفات کی نماز کے بیان میں ہے کہ **أبو بكر يسمع الناس التكبير** (بخاری ومسلم) یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کہ آپ ﷺ کے دائیں بحیثیت مقتدی کھڑے تھے، تکبیر (جہراً کہہ کر) لوگوکو سنا رہے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے پیچھے صحابۂ کرام تکبیرات آہستہ آہستہ کہتے تھے، کیونکہ یہاں ابوبکر کا بحیثیت ماموم ہونے کے جہراً تکبیرات کہنا خاص ایک علت (یعنی سنانے) کے لئے تھا نہ کہ عادۃً، پس صحابہ کا آپ ﷺ کے پیچھے جہراً تکبیرات کہنا آپ ﷺ ہی کے حکم سے تھا نہ تو کم از کم آپ کی تقریر (ثابت رکھنا) ہی کافی ہے، یہ قرینہ بتاتا ہے کہ تکبیرات جہراً کہنے کا مقتدیوں کو حکم اس حدیث میں نہیں'' [نشاط العبد: ص ۱۹]۔

اس جواب پر ہمارے کئی ملاحظات ہیں:

(الف):-

قائدہ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ قول سے خطاب میں جب آہستہ یا دل میں پڑھنا مراد ہوگا تو ''**قید بذٰلک**''، قول میں اس کی قید لگائی جائے گی، یعنی قائدہ میں مطلق اور مقید کی بات کہی ہے مگر راشدی صاحب یہاں قید کے بجائے قرینہ پیش کر رہے ہیں حالانکہ ''قید'' اور ''قرینہ'' میں زمین وآسمان کا فرق ہے، قید اپنے مقید کے ساتھ ہوتی ہے جبکہ قرینہ الگ تھلگ ہوتا ہے، چنانچہ علماء اصول

نے مقید کی تعریف مع مثال ان لفظوں میں کی ہے: "**مادل علی الحقیقة بقید کقوله تعالی: "فتحریر رقبة مؤمنة**" [الأصول من علم الأصول للعثیمین: ۳۹]۔

اس تعریف اور مثال میں غور کیجئے یہاں "**رقبة**" کی قید موجود ہے، اور یہ "**رقبة**" ہی کے ساتھ متصل ہے، معلوم ہوا کہ قید یہ مقید کے ساتھ متصل ہو کر آتی ہے پس قول میں قید کا مطلب یہ ہے کہ جب قول سے آہستہ کہنا مراد ہوگا تو یہ قول مقید ہو کر آئے گا، یعنی اسی قول سے متصل آہستہ کہنے کی قید موجود ہوگی، مثلاً ان الفاظ میں "**قولوا سراً**" یا "**قولوا فی أنفسکم**" جبکہ قرینہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز قول کے ساتھ موجود نہ ہوگی بلکہ الگ سے کسی اور جگہ اس کی طرف اشارہ ہوگا، لیکن قائدہ میں یہ چیز ہرگز نہیں کہی گئی ہے بلکہ وہاں "قید" کی بات ہے، لہٰذا قرینہ کے بجائے قائدہ کے مطابق "قید" تلاش کریں، اور یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ مذکورہ حدیث میں "**قولوا الله أکبر**" مطلق ہے، اب دو ہی راستے ہیں یا تو مقتدی کو تکبیر بھی بآواز بلند پڑھنے کے لئے کہا جائے یا قائدہ کے فساد کو تسلیم کرلیا جائے۔

(ب):

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں "**قولوا الله أکبر**" کا جو فرمان نقل کیا ہے اس میں نماز کا طریقہ مذکور ہے لہٰذا یہ فرمان اسی وقت کا ہے جب سے نماز باجماعت فرض ہوئی، اور راشدی صاحب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عمل کا جو قرینہ پیش کیا ہے وہ آپ کی زندگی کے بالکل اخیر زمانہ کا واقعہ ہے غور کیجئے کہ قول مطلق کا صدور تو اس وقت ہوا جب نماز باجماعت فرض ہوئی اور قرینہ اس وقت کا پیش کیا جارہا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ختم ہو رہی ہے، آخر اس مدت کے بیچ صحابۂ کرام نے جو اللہ اکبر سراً پڑھا ان کے سامنے کیا قرینہ تھا؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عمل بے شک یہ بتلاتا ہے کہ صحابہ کرام تکبیرات سراً پڑھتے تھے لیکن سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام نے سر پر عمل کیوں کیا جب کہ ان کے سامنے "**قولوا الله أکبر**" کا فرمان موجود تھا۔

قائدہ میں قول مطلق کا مطلب یہ بتلایا گیا ہے کہ مطلق ہو تو جہر پر دال ہے، اور مقید ہو یا آپ کے بقول قرینہ موجود ہو تو سر پر دال ہے، اب اگر قول کا اطلاق قائل کی طرف سے ہوتا ہے تو قول کی تقئید یا

اس کا قرینہ بھی قائل ہی کی طرف سے ہونا چاہئے ،'' قولوا'' کے قائل رسول اکرم ﷺ ہیں اب قرینہ کا قائل آپ ﷺ کو خود ہونا چاہئے صحابہ کا عمل آپ ﷺ کی تقریر ہوسکتا ہے ، آپ ﷺ کا قول تو نہیں ہوسکتا، اور قائدہ کی بنیاد قول پر رکھی گئی ہے لہٰذا اطلاق ہو یا تقیید ہو یا قرینہ ہو، ان سب کا وجود ''قول'' ہی میں ہونا چاہئے۔

اگر آپ کے مذکورہ قائدے پر کوئی اعتراض کرے کہ ایک حدیث میں '' کبـــروا'' کے ذریعہ مقتدیوں کو بھی اللہ اکبر کہنے کا حکم ہے تو کیا وہ بھی جہراً کہیں گے؟ تو راشدی صاحب اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ:

''یہاں لفظ ''کبروا'' ہے '' قولوا ''نہیں ہے، اور مذکورہ قائدہ صرف **باب القول** کے لئے ہے'' [نشاط العبدص ۱۵]۔

اگر آپ کے قائدہ میں بصورت اطلاق اتنی کڑی شرط ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا قائل ہونا بھی بے سود ہے جب تک کہ آپ ﷺ کے مقولہ میں لفظ'' قول'' کی صراحت نہ ہوتو آخر اسی قائدہ میں قرینہ کے وقت قول وغیر قول کی صراحت تو درکنار سرے سے آپ ﷺ کا فرمان ہی مفقود ہے بلکہ آپ ﷺ کے عمل کا بھی وجود نہیں، ان سب سے دور بھاگتے ہوئے قرینہ تلاش کیا گیا تو صحابہ کے عمل میں، آخر ''باب القول'' میں ''باب العمل'' کیسے حجت بن گیا؟ اور وہ بھی قائل ﷺ کا نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل!

مذکورہ قائدہ پھر سے پڑھ لیجئے: ''**و القول اذاوقع به الخطاب مطلقاً حمل علی الجهر ومتی أرید به الاسرارأوحدیث النفس قید بذلک**''(**ای قید القول بذالک**)۔

غور کریں! یہاں جس طرح اطلاق کی بات'' قول'' میں کہی گئی ہے اسی طرح قید یا قرینہ کی شرط بھی ''قول'' ہی میں لگائی گئی ہے، لہٰذا کوئی ایسا قرینہ تلاش کیجئے جس کا تعلق آپ کے الفاظ میں'' باب القول'' سے ہو، **ولاسبیل الی ذلک**۔

(ج) :-اور اگر قولوا **الله أکبر** کو سر پر محمول کرنے کے لئے ایسا ہی قرینہ ہی کافی ہے، تو قولوا **ربنا لک الحمد** کو سر پر محمول کرنے کے لئے ایسے قرائن کی قطار لگائی جاسکتی ہے چند ملاحظہ ہوں:

(۱): سب سے پہلے تو اسی قرینہ کو لیجئے جسے راشدی صاحب نے پیش کیا ہے چنانچہ موصوف نے جو قرینہ پیش کیا ہے وہ اگر اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی حضرات تکبیرات آہستہ پڑھیں گے تو اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مقتدی حضرات **ربنالک الحمد** بھی آہستہ پڑھیں گے، کیونکہ بعض اہل علم کے قول کے مطابق جب کوئی مکبر امام کے پیچھے تکبیر پکارے گا تو وہ اللہ أکبر کی جگہوں پر اللہ أکبر ہی کہے گا مگر **سمع الله لمن حمده** کی جگہ وہ **ربنالک الحمد** پکارے گا، جیسا کہ آج بھی مسجد حرام وغیرہ میں یہی معمول ہے، لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی تکبیرات کے ساتھ ساتھ **ربنالک الحمد** بھی پکارا ہوگا، پھر راشدی صاحب کے بقول یہ پکار ایک علت (یعنی سنانے) کے لئے تھی نہ کہ عادۃً، پس اس حدیث میں جس طرح **قولوا الله أکبر** میں جہر کی دلیل نہیں ہے، ٹھیک اسی طرح **قولوا ربنالک الحمد** میں بھی جہر کی دلیل نہیں ہے۔

(۲): رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث پیچھے گذر چکی ہے اور آگے بھی آئے گی اس میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صرف ایک ہی شخص نے **ربنالک الحمد** جہر سے پڑھا جیسا کہ راشدی صاحب کو بھی اس بات کا اعتراف ہے[نشاط العبد: ص۲۹] اور پیچھے ہم لکھ چکے ہیں کہ اس واقعہ کے راوی جو واقعہ کے وقت خود اس میں موجود تھے وہ انصاری صحابی ہیں جو ہجرت نبوی کے بعد مسلمان ہوئے اور مدینہ میں مسجد نبوی کا واقعہ بیان کررہے ہیں، اور **قولوا ربنالک الحمد** والی اس حدیث میں نماز کا طریقہ ذکر ہے لہٰذا یہ فرمان اس وقت کا ہے جب سے نماز فرض ہوئی اور نماز مکہ میں واقعہ معراج میں فرض ہوئی اور رفاعہ کا بیان کردہ واقعہ ہجرت کے بعد اور مدینہ کا واقعہ ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس واقعہ میں ایک صحابی کو چھوڑ کر باقی کسی صحابی نے ربنا جہراً نہیں پڑھا، اور ایک صحابی جس نے پڑھا انہوں نے بھی فقط پہلی رکعت میں جہر سے پڑھا تھا اور وہ بھی اتفاقیہ طور پر نہ کہ عملاً بالحدیث المذکور (کما سیاتی)، پس معلوم ہوا کہ صحابہ کا **ربنا** سراً پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حکم سے تھا نہ تو کم از کم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر (ثابت رکھنا) ہی کافی ہے، یہ قرینہ بتلاتا ہے کہ **ربنالک الحمد** جہراً کہنے کا حکم ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہیں ہے۔

اور رہا اس واقعہ سے استدلال تو اس پر تفصیلی بحث آ رہی ہے، یہاں پر مقصود یہ دکھلانا ہے کہ آپ ﷺ کے فرمان قولوا ربنالک الحمد کے ہوتے ہوئے بھی صحابہ کرام ربنا جہراً نہیں پڑھتے تھے۔

(۳): حدیث میں مذکور " قولوا " دعا کے سلسلے میں ہے اور دعاؤں میں اصل اسرار ہے اس بابت پوری تفصیل گذر چکی ہے، لہٰذا دعاؤں میں یہ قائدہ نہیں چل سکتا۔

(۴): اگر دعا میں نافذ ہو تو بھی نماز کی دعاؤں میں اس پر عمل نہیں ہوسکتا کیونکہ نماز کی اصل حالت سکوت کی ہے جیسا کہ تفصیل گذری، لہٰذا اگر کسی دعاء کو خارج صلوۃ کسی وجہ سے جہرا پڑھنا ثابت بھی ہو تو بھی نماز میں اسے سراہی پڑھا جائے گا مثلاً خارج صلوٰۃ بہت سی جگہوں پر جہراً درود پڑھنا ثابت ہے مگر حالت صلوٰۃ میں اس درود کو سراً ہی پڑھا جاتا ہے۔

دلیل نمبر (۳)

"عن رفاعه بن رافع الزرقی قال: کنا یومًا نصلی ورآء النبی ﷺ، فلما رفع رأسه من الرکعة قال: "سمع الله لمن حمده"، قال رجل ورآءه: ربنا ولک الحمد حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیه. فلما انصرف قال: "من المتکلم؟". قال: أنا. قال: "رأیت بضعة وثلاثین ملکًا یبتدرونها أیهم یکتبها أوّل (وفی روایة: "لقد ابتدرها اثنا عشر ملکا")،

رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھا کر "**سمع الله لمن حمده**" کہا تو آپ ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے کہا: "**ربنا ولک الحمد حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیه**" آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: "(نماز میں) کون بول رہا تھا؟" تو اس شخص نے کہا: میں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا سبھی جلدی کر رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لکھے" (اور بعض روایت میں ہے کہ بارہ فرشتے جلدی کر رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لے جائے) [بخاری:- کتاب الاذان: رقم الباب(١٢٦)، رقم الحدیث ٧٩٩، نسائی مع تحقیق الألبانی:- کتاب الافتتاح: باب قول

المأموم اذاعطس خلف الامام،رقم٩٣٢ وصححه الألبا نی]۔

علامہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ، حافظ زبیر علی زئی اور دیگر لوگوں نے اس سے ربنـــالک الـحـمد باٰواز بلند پڑھنے پر استدلال کیا ہے۔ دیکھئے: نشاط العبد ص۲۹۔ نیز دیکھئے: القول المتین فی الجھر بالتامین از حافظ زبیر علی زئی]۔

جواب:

اولا:

بخاری کی پیش کردہ حدیث میں جس اسلوب وشکل میں دعاء قومہ بالجہر پڑھنے کا واقعہ مذکور ہے، ٹھیک اسی طرح بعینہ اسی اسلوب وشکل میں صحیح مسلم میں نماز کی ایک دوسری دعاء کو بھی بالجہر پڑھنے کا واقعہ منقول ہے، اور یہ دعاء، دعاء قومہ نہیں بلکہ دعاء ثناء ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم کی یہ روایت:

”عن ابن عمر قال: بينما نحن نصلی مع رسول الله ﷺ اذ قال <u>رجل فی القوم:</u> <u>الله أكبر كبيرا، والحمدلله كثيرا، وسبحان الله بكرة وأصيلا</u> . فقال رسول الله ﷺ :”من القائل كلمة كذا وكذا؟“. قال رجل من القوم : أنا يا رسول الله، قال: ”عجبت لها فتحت لها أبواب السماء (وفی رواية للنسائی: لقد ابتدرها اثنا عشر ملكا)“. وقال ابن عمر فما تركتهن منذ سمعت من رسول الله ﷺ يقول ذٰلک،

صحابی رسول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے (جب آپ نے نماز شروع فرما کر اللہ اکبر کہا) تو (آپ ﷺ کے پیچھے) لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: ”**الله أكبر كبيرا، والحمدلله كثيرا، وسبحان الله بكرة و أصيلا**“۔ آپ ﷺ نے (نماز سے فراغت کے بعد) فرمایا: ”یہ کلمات کس نے کہے؟“۔ تو لوگوں میں سے اس شخص نے کہا: اللہ کے رسول میں نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تعجب ہوا کہ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے گئے [اور نسائی کی روایت میں ہے بارہ فرشتے جلدی کر رہے تھے کہ کون ان

کلمات کو پہلے لے جائے]عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جب سے میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تب سے ان کلمات کو پڑھنا کبھی نہیں چھوڑا'' [مسلم:- کتاب المساجد:باب ما یقول بین تکبیرة الاحرام والقرأة،رقم (٦٠١) نسائی مع تحقیق الألبانی:- کتاب الافتتاح:باب القول الذی یفتتح به الصلوٰة،رقم الحدیث(٨٨٥)وصححه الألبانی]۔

اب اگر بخاری کی حدیث پر قائم کردہ استدلال درست ہے تو یہی استدلال صحیح مسلم کی دعاء ثناء والی حدیث پر بھی قائم ہونا چاہئے۔ بخاری کی حدیث کا تو ایک پس منظر بھی ہے کہ صحابی ہانپ رہے تھے ان کو چھینک آ گئی تھی (کما سیاتی) مگر مسلم کی حدیث سے متعلق تو ایسا کوئی پس منظر بھی مذکور نہیں، نیز بخاری کی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے اس صحابی کے عمل کو بعد میں کسی نے اپنایا ہو جب کہ مسلم کی حدیث میں صراحت ہے کہ اس واقعہ کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ نے وہ دعاء کبھی نہیں چھوڑی۔

اب بتلائے کہ آخر دعاء ثناء پر یہ ظلم کیوں؟ اگر دعاء ثناء سے متعلق اتنی تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی اسے بالجہر نہیں پڑھ سکتے تو دعاء قومہ کو بدرجۂ اولی بالجہر نہیں پڑھ سکتے، واضح رہے کہ ابھی تک پوری امت میں کسی نے بھی دعاء ثناء کو بالجہر پڑھنے کی بات نہیں کہی ہے، مگر ڈر ہے کہ کہیں ہماری اس بات سے لاجواب ہو کر فریق دوم یہ فتوی بھی نہ دے بیٹھیں۔

ثانیاً:

اس حدیث میں جس واقعہ کا بیان ہے وہ یہاں مکمل مذکور نہیں ہے بلکہ اس میں اختصار ہے جس سے اس واقعہ کی پوری کیفیت اور اس کا پورا پس منظر ہمارے سامنے نہیں آتا، لہٰذا صرف اس حدیث کو لے کر کوئی فیصلہ کرنا درست نہیں بلکہ ضرورت ہے کہ سب سے پہلے ہم اس پورے واقعہ کا مطالعہ کر لیں اور اس کی پوری روداد اور پس منظر سے واقف ہو جائیں پھر کوئی فیصلہ کریں، آیئے دیگر روایات کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ کہ مکمل روداد کیا ہے۔

اوپر بخاری کی جس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے اس میں صرف یہ مذکور ہے کہ ایک صحابی نے آپ ﷺ کے پیچھے دعاء قومہ کو باآواز بلند پڑھا، لیکن اس کا سبب کیا تھا یہاں اس کا بیان نہیں جبکہ ترمذی

وغیرہ کی روایت میں صراحت ہے ''صلیت خلف رسول الله ﷺ فعطست فقلت'' یعنی رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو مجھے چھینک آ گئی اور میں نے کہا..[سنن الترمذی مع تحقیق الألبانی:-أبواب السهو:باب ما جاء فی الرجل یعطس فی الصلوٰة، رقم٤٠٤ قال الترمذی : حدیث رفاعه حدیث حسن انتهی وحسنه الألبانی أیضاً]۔

اس روایت کو ملا کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ صحابی مذکور کی آواز بلند ہونے کا سبب ان کا چھینکنا تھا اور مسلم کی حدیث میں ہے ''أن رجلاً جاء فدخل الصف وقد حفزه النفس'' یعنی ایک شخص (نماز کے لئے) آیا اس کی سانس پھول رہی تھی [مسلم:-کتاب المساجد: باب مایقول بین تکبیرة الاحرام و القرأة۔ رقم(٦٠٠)]، اس حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ صحابی مذکور جب صف میں داخل ہوئے تو ان کی سانس پھول رہی تھی معلوم ہوا کہ یہی چیز ان کے چھینکنے کا سبب بنی اور پھر اس چھینک کے سبب ان کی آواز بلند ہو گئی۔

اور مسند احمد میں ہے ''جاء رجل أسرع المشی'' ایک شخص تیز چلتے ہوئے نمازیوں میں شامل ہوا اور وہ ہانپ رہا تھا [مسند أحمد: ج۴ص۱۸۸،۱۸۹۔ شیخ احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے، دیکھیں مسند احمد بتحقیق احمد شاکر: ج ۱۱ص۵۰ رقم الحدیث (۱۲۸۹۵)]، اس حدیث میں یہ مزید وضاحت ہے کہ ایک شخص آیا اور تیزی کے ساتھ چلتے ہوئے نمازیوں تک پہنچا گویا کہ اس کے ہانپنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ تیزی کے ساتھ چلا تھا اور یہ تیزی کے ساتھ کیوں چلا تھا حدیث کے آخری الفاظ میں اس کا بھی اشارہ ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے کہا: ''اذا جاء أحدکم الی الصلوٰة فلیمش علی هنیئته فلیصل ماأدرک و لیقض ماسبقه'' [ایضاً] یعنی تم میں سے جو کوئی بھی نماز کے لئے آئے تو سکون واطمینان کے ساتھ چلے اور جتنی نماز ملے اسے پڑھ لے اور جو چھوٹ جائے اسے پورا کرے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے رکعت چھوٹ جانے کے خوف سے چلنے میں تیزی کی تھی۔

اب ان تمام روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد مذکورہ واقعہ کی جو مکمل روداد ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ایک صحابی نماز پڑھنے کی خاطر مسجد میں آئے، اور جس وقت وہ پہنچے اس وقت لوگ رکوع کی حالت

میں تھے، یہ دیکھ کر وہ صف میں داخل ہونے کے لئے دوڑ پڑے۔ چنانچہ وہ دوڑتے ہوئے صف میں پہونچے اور رکوع میں شامل ہوگئے، اب دوڑنے کی وجہ سے ان کی سانس پھولنے لگی اور جوں ہی انہوں نے رکوع سے سر اٹھایا تو سانس پھولنے کے سبب انہیں چھینک آگئی اور جب چھینک آگئی تو چھینک کی آواز کے ساتھ ساتھ دعاء قومہ کی آواز بھی بلند ہوگئی، اللہ کے نبی ﷺ نے یہ آواز سنی اور ان کلمات کی فضیلت بھی دیکھی لہٰذا آپ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ یہ کلمات کس نے کہے ہیں؟ صحابی مذکور نے سمجھا کہ شاید ان کی آواز کا بلند ہونا ان کی غلطی بن گئی ہے اس لئے وہ دیر تک خاموش رہے پھر معذرت کرتے ہوئے اور آواز بلند ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے بولے: ''**جئت وقد حفزني النفس فقلتها** ''یعنی اے اللہ کے نبی ﷺ میں آیا تو میری سانس پھول رہی تھی اسی لئے میں نے (بآواز بلند) کہا، اور دوسری روایت میں ہے: ''**فعطست فقلت**''یعنی مجھے چھینک آگئی اسی لئے میں نے (بآواز بلند) کہا۔

چونکہ عذر معقول تھا اس لئے آپ ﷺ نے آواز بلند ہونے پر کوئی گرفت نہیں کی اور آپ ﷺ کے سوال کرنے کا مقصد بھی آواز کے بلند ہونے پر گرفت کرنا نہیں تھا بلکہ مذکورہ الفاظ کی فضیلت کو بتلانا تھا، البتہ جو چیز آواز کے بلند ہونے کا سبب بنی تھی یعنی نماز کے لئے دوڑنا اور اس کی وجہ سے سانس پھولنے کا شکار ہونا، تو اس چیز سے اللہ کے نبی ﷺ نے ضرور منع فرمایا، چنانچہ اخیر میں کہا: ''**اذا جاء أحدكم الى الصلوٰة فليمشعلى هنيئة فليصل ما أدرك وليقض ماسبقه**'' یعنی تم میں سے جو بھی نماز کے لئے آئے تو سکون واطمینان کے ساتھ چلے اور جتنی نماز ملے اسے پڑھ لے اور جو چھوٹ جائے اسے پورا کرے۔

اب جو شخص بھی اس پورے واقعہ پر غور کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ صحابی مذکور کا بآواز بلند دعاء قومہ پڑھنا ایک انفرادی اور اضطراری عمل تھا، وہ دوڑتے ہوئے صف میں داخل ہوئے تھے جس کے سبب وہ ہانپنے لگے اور پھر چھینک آگئی اور اسی چھینک کی آواز کے ساتھ ساتھ دعاء قومہ کی آواز بھی بلند ہوگئی۔

اب جو لوگ بھی اس واقعہ کو بنیاد بنا کر دعاء قومہ بآواز بلند پڑھتے ہیں کیا ان کے ساتھ بھی یہی

معاملات پیش آتے ہیں؟ کیا وہ بھی چھینک کے شکار ہوتے ہیں؟ جس کے نتیجے میں اضطراری طور پر ان کی آواز بھی بلند ہو جاتی ہے؟

اور مذکورہ واقعہ میں غور کرنے سے ایک اہم بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ صحابئ مذکور کی آواز صرف ایک ہی رکعت میں بلند ہوئی تھی اور وہ پہلی رکعت تھی، چنانچہ بخاری کی حدیث میں صرف ایک ہی بار کا تذکرہ ہے، اسی طرح ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے: ''**صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فعطست فقلت**...''یعنی میں اللہ کے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا تو مجھے چھینک آگئی اور میں نے کہا...غور کیجئے صحابی آواز بلند ہونے کا سبب چھینک کو قرار دے رہے ہیں، تو کیا صحابی کو ہر رکعت میں چھینک آئی تھی؟ اور وہ بھی عین حالت قومہ میں؟ یہ چیز کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہے، اور مسلم کی حدیث میں ''**حفزہ النفس**''کا ذکر ہے یعنی صحابی کی سانس پھول رہی تھی جس کے سبب آواز بلند ہوگئی، ظاہر ہے کہ یہ بھی صرف ایک ہی دفعہ کا واقعہ ہے کیونکہ نماز کے ہر رکعت میں سانس پھولنے کا کوئی مطلب نہیں! اور وہ بھی عین حالت قومہ میں! لہٰذا اس واقعہ میں صحابی کو صرف ایک ہی بار چھینک آئی تھی اور آواز بھی صرف ایک ہی بار بلند ہوئی تھی۔

اب جو لوگ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر ہر رکعت میں دعاء قومہ بآواز بلند پڑھتے ہیں وہ بتلائیں کہ کیا انہیں ہر رکعت میں اور عین قومہ کی حالت میں بار بار چھینک آتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر کس دلیل کی بنا پر ہر رکعت میں دعاء قومہ کو بآواز بلند پڑھا جارہا ہے؟ واضح رہے کہ شیخ راشدی رحمہ اللہ اس حدیث سے اپنے استدلال پر ایک اعتراض نقل کرکے اور خود ہی اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سوال: ''یہ ایک صحابی کا واقعہ ہے؟'' **جواب**: ''کئی مسائل ایک ہی واقعہ سے ماخوذ ہیں، مثلاً قیس رضی اللہ عنہ کا فجر کی سنت کو فرض کے بعد قضا کرنا...'' [نشاط العبد ص ۲۹]۔

ہم کہتے ہیں بخاری کی حدیث میں جہر کا جو واقعہ ہے وہ بے شک ایک ہی صحابی کا واقعہ ہے، مگر راشدی صاحب نے اس سے جو مسئلہ ثابت کیا ہے ویسا ایک بھی صحابی کا واقعہ نہیں ہے، بخاری وغیرہ کے واقعہ میں درج ذیل چیزیں ہیں:

☆ (۱) ایک صحابی دوڑ کر صف میں شامل ہوئے۔ (۲) صحابی کی سانس پھول رہی تھی۔ (۳)

صحابی کو چھینک آ گئی تھی۔(۴) صحابی نے صرف پہلی رکعت میں جہر کیا تھا۔(۵) صحابی نے یہ عمل جہری نماز (نماز مغرب) میں کیا تھا[السنن للبیھقی:۹۵/۲رقم۲۴۴۳،المعجم الکبیر:۴۱/۵ رقم۴۵۳۲ واسنادہ حسن]۔

اور راشدی صاحب نے جو مسئلہ ثابت کیا ہے وہ اس واقعہ میں موجود ہی نہیں کیونکہ ان کے مسئلہ میں:

☆(۱) جہر سے پڑھنے والا دوڑ کر صف میں شامل نہیں ہوتا۔(۲) اس کی سانس نہیں پھول رہی ہوتی۔(۳) اس کو چھینک نہیں آتی۔(۴) وہ ہر رکعت میں جہر کرتا ہے۔(۵) وہ جہری وسری تمام نمازوں میں جہر کرتا ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس طرح کا کوئی ایک واقعہ بھی کسی حدیث میں مذکور ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں! تو پھر یہ جواب دینا کہ ''کئی مسائل ایک ہی واقعہ سے ماخوذ ہیں'' اور مثال میں سنت فجر کی قضا کرنے والے صحابی کا واقعہ پیش کرنا بے سود ہے۔

ثالثاً:

گذشتہ سطور میں جو ایک ہی واقعہ سے متعلق کئی روایات پیش کی گئی ہیں ان تمام روایات میں قدرے حذف واضافہ کے ساتھ ایک ہی واقعہ کا بیان ہے جیسا کہ امام ترمذی، علامہ ابن بشکوال، حافظ ابن حجر، علامہ البانی، احمد شاکر اور دیگر بہت سے محدثین نے صراحت کی ہے، اس کی پوری تفصیل، شبہات کے ازالے کے ساتھ اصل کتاب ''**ارشاد العبد الی اخفاء ربنالک الحمد**'' میں موجود ہے، ان تمام روایات کو یکجا کرنے کے بعد مکمل واقعہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص کہے کہ نہیں ان تمام روایتوں کا تعلق صرف ایک ہی واقعہ سے نہیں ہے بلکہ ہر روایت میں بیان کردہ واقعہ الگ الگ واقعہ ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ اگر اس بات کو تسلیم کرلیں تو یہ چیز بھی اس بات کی دلیل بن جائے گی کہ دعاءِ قومہ بلند آواز سے نہیں پڑھ سکتے، کیونکہ مذکورہ ہر روایت میں صرف ایک ہی صحابی کے بولنے کا تذکرہ ہے

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ کسی ایک واقعہ کے پیش آنے کے بعد تمام صحابۂ کرام نے اس پر عمل کرتے ہوئے دعاءِ قومہ کو بلند آواز سے پڑھنا شروع نہیں کیا تھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر دوسرے واقعہ میں کسی ایک ہی کی تعیین کر کے نہ پوچھا جاتا کہ ''من المتکلم''؟ نماز میں کون بول رہا تھا؟ کیونکہ جب ایک واقعہ پیش آنے کے بعد سب کا یہی عمل ہوگیا تھا تو پھر کچھ دنوں بعد صرف ایک شخص کے بارے میں کیوں پوچھا جارہا ہے کہ ''من المتکلم''؟ نماز میں کون بول رہا تھا؟ دوسرے واقعہ میں ((''من المتکلم''؟ نماز میں کون بول رہا تھا؟)) کے ذریعہ سوال کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جہر کا ایک واقعہ پیش آنے کے بعد نہ تو صحابہ نے اس جہر پر عمل کیا اور نہ ہی اسے قابل عمل سمجھا۔ حتیٰ کہ ایک تیسرا واقعہ پیش آیا اور اس میں بھی یہی سوال کیا گیا!!! گویا کہ دو واقعات پیش آنے کے باوجود بھی کسی صحابی نے دعاءِ قومہ کو بآواز بلند کہنا شروع نہیں کیا۔ الغرض مذکورہ روایات کو الگ الگ واقعات پر محمول کیا جائے تو یہ چیز بھی اس بات کی دلیل ہے کہ دعاءِ قومہ آہستہ ہی پڑھیں گے۔

رابعاً:

بخاری کی حدیث رفاعہ جسے فریق دوم نے دعاءِ قومہ بالجہر پڑھنے کی دلیل بنائی ہے، اسی حدیث میں دعاءِ قومہ کو بالجہر کے بجائے بالسر پڑھنے کی دلیل موجود ہے، اس لئے کہ اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے کسی ایک ہی صحابی کے بارے میں کہا کہ اس کی طرف سے نماز میں بولا گیا۔ اس سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ بولنے والے صرف ایک ہی صحابی تھے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ صحابۂ کرام آپ ﷺ کے پیچھے دعاءِ قومہ کو بالجہر نہیں پڑھتے تھے، اس لئے کہ اگر صحابۂ کرام ایسا کرتے تو پھر آپ ﷺ کے مذکورہ سوال کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا، کیونکہ جب سبھی صحابہ کا یہ معمول تھا تو آخر آپ ﷺ نے صرف ایک ہی کی تعیین کر کے کیوں پوچھا کہ ''من المتکلم''؟ نماز میں کون بول رہا تھا؟

لہٰذا ثابت ہوا کہ عہد نبوی میں دعاءِ قومہ کو بلند آواز سے پڑھنا صحابہ کرام کا معمول نہیں تھا، اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ صحابۂ کرام نے اس واقعے کے بعد بآواز بلند پڑھنا شروع کردیا تھا، کیونکہ اگر ایسا

ہوتا تو یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہوتی لہٰذا کسی نہ کسی حدیث میں ہم تک ضرور منقول ہوجاتی، جیسا کہ امام کے پیچھے قرأت کا مسئلہ ہے کہ صحابۂ کرام شروع شروع میں جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے علاوہ کی بھی قرأت کرتے تھے، لیکن ایک دن اللہ کے نبی ﷺ نے انہیں منع کردیا، اس ممانعت کے بعد تمام صحابۂ کرام جہری نمازوں میں غیر فاتحہ کی قرأت سے فوراً رک گئے اور صحابہ کا یہ عمل حدیث میں منقول ہوگیا، چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

فانتهى الناس عن القرأة مع رسول ﷺ فيما جهر فيه رسول الله ﷺ بالقرأة حين سمعوا ذٰلک من رسول الله ﷺ ...الحديث

لوگوں نے جب آپ ﷺ سے یہ سنا تو جہری نمازوں میں آپ ﷺ کے ساتھ (سورہ فاتحہ کی علاوہ کی) قرات سے رک گئے [مؤطا: ۸٦/۱رقم ۱۹۳]۔

لہٰذا جس طرح اس مسئلہ میں ایک واقعہ کے بعد صحابۂ کرام کا عمل بدل گیا تو حدیث میں فوراً نقل ہوگیا، ٹھیک اسی طرح اگر دعاءِ قومہ میں بھی صحابۂ کرام کے عمل میں تبدیلی آئی ہوتی تو یہ چیز بھی منقول ہوجاتی، نیز اسی طرح آمین بالجہر کا مسئلہ ہے صحابۂ کرام جہراً آمین کہتے تھے، چونکہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی لہٰذا نقل ہوکر ہم تک پہنچ گئی۔ اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ بخاری کی پیش کردہ حدیث میں جب ایک صحابی نے دعاءِ قومہ بلند آواز سے پڑھا تو اسے نقل کردیا گیا، تو کیا اگر تمام صحابہ بلند آواز سے پڑھنے لگتے تو اسے نقل نہ کیا جاتا؟ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی ایک صحابی بلند آواز سے دعاء پڑھے تو اسے نقل کردیا جائے اور پوری جماعت بلند آواز سے پڑھے تو اسے نقل کرنے والا کوئی نہ ہو؟

نیز صحابہ کی جماعت ''آمین'' جیسے مختصر لفظ کو جہر سے پڑھے تو یہ بات نقل ہوجائے لیکن یہی جماعت ''ربنا لک الحمد...'' جیسی طویل دعاء کو جہر سے پڑھے تو اس کا ناقل کوئی نہ ہو؟ لہٰذا اگر مذکورہ واقعہ کے بعد صحابۂ کرام نے دعاءِ قومہ بآواز بلند پڑھنا شروع کردیا ہوتا یہ چیز بھی منقول ہوجاتی اور جب ایسا نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام نے مذکورہ حدیث کا وہ مفہوم نہیں سمجھا جو آج سمجھا جارہا ہے۔

خامساً:

بخاری کی پیش کردہ حدیث میں صحابی کا صرف یہی عمل نہیں ہے کہ انھوں نے بلند آواز سے کچھ کلمات پڑھے، بلکہ اس میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے یہ کلمات اپنی طرف سے کہے تھے، اللہ کے نبی ﷺ کے سکھلائے ہوئے نہیں تھے، لہٰذا اگر صحابی کے بلند آواز سے پڑھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام حضرات بھی بلند آواز سے پڑھ سکتے ہیں تو صحابی کے اپنی طرف سے دعاء پڑھنے سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام حضرات بھی نماز میں اپنی طرف سے ایسی دعائیں پڑھ سکتے ہیں جو کتاب وسنت سے ثابت نہ ہوں، غور کیجئے کہ صحابی نے نبی ﷺ کے پیچھے اپنی طرف سے دعا پڑھا تو کیا دیگر حضرات کے لئے بھی نماز میں اپنی اپنی طرف سے دعائیں پڑھنا درست ہے؟ شاید آپ کو تعجب ہو کہ حافظ ابن حجر نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اسے درست کہا ہے چنانچہ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

> **"واستدل به على جواز احداث ذكر فى الصلوة غير ماثور اذا كان غير مخالف للماثور**
>
> اس سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ نماز میں اپنی طرف سے ایسی دعائیں پڑھنا جائز ہے جو کتاب وسنت سے ثابت نہ ہوں بشرطیکہ اس سے کتاب وسنت کی خلاف ورزی بھی نہ ہوتی ہو" [فتح الباری: ۳٦٥/۲]۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس حدیث سے یہ استدلال درست ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس حدیث سے جہر پر بھی استدلال درست نہیں، آپ ﷺ نے صرف کلمات کی تعریف کی ہے لہذا اس پر عمل کریں گے رہی جہراً اور خود ساختہ دعا پڑھنے کی بات تو اس کی تائید منقول نہیں لہذا اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

بعض حضرات کہتے ہیں کہ بخاری کی حدیث میں جب آپ ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے باآواز بلند دعاء قومہ پڑھا تو آپ ﷺ نے اسے باآواز بلند پڑھنے سے منع نہیں کیا، جبکہ آپ ﷺ آواز کی بھی تعلیم دیا کرتے تھے جیسا کہ ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے تہجد کا واقعہ ہے اسی طرح آپ ﷺ کے پیچھے

سبح اسم ربک الأعلی جہر سے پڑھنے کا واقعہ ہے، اور یہاں آپ ﷺ نے جہر پرنہیں ٹوکا لہٰذا اس سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

جواب:

(الف):

یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے اسے بآواز بلند پڑھنے سے نہیں روکا، علی الاطلاق صحیح نہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ نے گرچہ جہر سے صراحتاً منع نہیں کیا لیکن جو چیز جہر کا سبب بنی تھی اس سے ضرور روکا، چنانچہ پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ جہر سے پڑھنے والے صحابی دوڑ کر نماز میں شامل ہوئے تھے جس کے سبب وہ ہانپنے لگے اور ان کی سانس پھولنے لگی، اسی حالت میں وہ رکوع سے اٹھے تو انہیں چھینک آ گئی پھر چھینک کی آواز کے ساتھ ساتھ دعاءِ قومہ کی آواز بھی بلند ہوگئی، آپ نے دعاء کی فضیلت بیان کی لیکن ساتھ ہی مسند احمد کی روایت کے مطابق یہ بھی کہا کہ: ”تم میں سے جب کوئی نماز کے لئے آئے تو اطمینان وسکون سے چل کر آئے پھر جتنی مل جائے اتنی پڑھ لے اور جو چھوٹ جائے اسے بعد میں پورا کر لے“ [مسند أحمد ج۴ص۱۸۸، ۱۸۹۔ شیخ احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے]۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ نے چھینک کی وجہ سے جہر پر گرفت نہیں کی لیکن جو چیز چھینک کا سبب بنی تھی یعنی نماز کے لئے دوڑنا، اس سے ضرور روکا۔ لہٰذا یہ کہنا علی الاطلاق درست نہیں کہ آپ ﷺ نے جہر سے نہیں روکا۔

(ب):

اگر یہ فرض کرلیں کہ آپ ﷺ نے جہر سے نہیں روکا تو یہ بات مسلّم ہے کہ صحابی جہر سے کہنے میں معذور تھے کیونکہ وہ ہانپ رہے تھے اور انہیں چھینک آ گئی تھی اور یہی ہانپنا اور چھینکنا جہر کا سبب بنا جیسا کہ ترمذی میں صراحت ہے کہ ”**فعطست فقلت**“، یعنی ”مجھے چھینک آ گئی تو میں نے کہا“ [الترمذی، رقم ٤٠٤] اور صحیح مسلم میں ہے ”**جئت وقد حفزنی النفس فقلتها**“، یعنی ”میں آیا تو ہانپ رہا تھا اور اسی حالت میں میں نے کہا“ [مسلم، رقم ٦٠٠] اور جب بات یہ ہے کہ صحابی جہر سے کہنے میں

معذور تھے اورانہوں نے عذر بیان بھی کر دیا تھا تو آخر معقول عذر ہونے کے باوجود بھی انہیں کیوں ٹوکا جاتا؟ کیا معذوروں کو ٹوکنا بھی آپ ﷺ کا طریقہ تھا؟

یاد کیجئے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ازار میں اسبال (ٹخنہ سے نیچے لٹکا ہوا) دیکھا، تو آپ ﷺ نے دیکھتے ہی انہیں فوراً ٹوک دیا اور کہا ''ارفع ازارک '' یعنی اپنی ازار اونچی کرلو [مسلم :- کتاب الباس:باب تحریم جر الثوب،رقم۲۰۸۶] جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ ان کا ازار ٹخنے سے نیچے لٹک جایا کرتا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اکثر آپ ﷺ کے ساتھ ہی رہتے تھے لیکن آپ ﷺ نے انہیں اس پر کبھی نہیں ٹوکا، حتی کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود ہی اپنا معاملہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا تو بھی آپ ﷺ نے کوئی گرفت نہیں کی بلکہ انہیں معذور قرار دیتے ہوئے فرمایا:''**لست ممن یصنعه خیلاءً**''[بخاری:- کتاب الباس:باب من جر ثوبه من غیر خیلاء،رقم الحدیث(۵۷۸۴)] یعنی تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسبال پر خاموش کیوں رہے؟ آپ ﷺ نے انہیں اسبال سے منع کیوں نہ کیا؟ صاف صاف بات یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ معذور تھے اور آپ ﷺ کو اس کا علم تھا اس لئے انہیں اس سے منع نہ کیا، ٹھیک اسی طرح بخاری کی مذکورہ حدیث میں صحابی کا بھی معاملہ ہے آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ صحابی جہر سے پڑھنے میں معذور ہیں اس لئے آپ ﷺ نے انہیں جہر پر نہیں ٹوکا، یہاں پر آپ ﷺ کا جہر پر نہ ٹوکنا دوسروں کے لئے جہر کا جواز نہیں بن سکتا، بالکل اسی طرح جس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسبال پر آپ ﷺ کا نہ ٹوکنا دوسروں کے لئے اسبال کا جواز نہیں بن سکتا۔ خلاصہ کلام یہ کہ معذوروں کو ٹوکنا آپ ﷺ کا طریقہ نہیں تھا، بخاری کی مذکورہ حدیث میں صحابی معذور تھے اس لئے انہیں ٹوکنے کی ضروت نہ تھی۔

(ج):

اگر کہا جائے کہ صحابی کے پاس کوئی عذر نہ تھا، انھوں نے بلا کسی عذر کے جہر کیا تھا اور اس پر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی ہے۔ تو عرض ہے کہ اگر صحابی کے پاس واقعی کوئی عذر نہیں تھا تو ممکن ہے کہ

انھوں نے تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جہر کیا ہو، جس طرح آپ ﷺ تعلیم دینے کی خاطر ظہر وعصر کی نمازوں میں بعض آیات جہراً پڑھ دیا کرتے تھے [بخاری:- کتاب الصلوۃ، باب القرآۃ فی العصر، رقم (٧٦٢)] لہٰذا جب ایسی بات تھی تو یہ بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر ٹوکنے یا جس سے منع کرنے کی ضرورت ہو، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

”وأما الجهر العارض، فمثل ما فی الصحيح أنه كان يجهر بالآية أحياناً، **ومثل جهر بعض الصحابة خلفه بقوله: ربنالک الحمد حمداً كثير اطيباً مباركا فيه**، ومثل جهر عمر بقوله سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الاہ غیرک، و مثل جهر ابن عمر وأبی هريرة بالاستعاذة، ومثل جهر ابن عباس بالقرآة علی الجنازة ليعلموا أنها سنة. ويمكن أن يقال: جهر من جهر بها من الصحابة، كان علی هٰذا الوجه، ليعرفوا أن قرآتها سنة لا لأن الجهر بها سنة،

جہاں تک عارضی طور پر جہر کی بات ہے تو اس کی کئی مثالیں ہیں مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھار (سری نمازوں میں) کسی آیت کو بآواز بلند پڑھ دیا کرتے تھے، **اسی طرح صحابہ میں سے کسی نے آپ ﷺ کے پیچھے "ربنا لک الحمد حمداً كثيرا طيباً مباركاً فيه" بآواز بلند پڑھا**، اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ "سبحانک اللهم و بحمدک و تبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الاہ غیرک" بآواز بلند پڑھتے تھے، اسی طرح ابن عمر اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہما استعاذہ (أعوذ بالله من الشيطان الرجيم) کو بآواز بلند پڑھتے تھے، اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں بلند آواز سے قرأت کرتے تھے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ سنت ہے، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ میں سے جس نے بھی بلند آواز سے پڑھا اس کا مقصد یہی تھا کہ لوگ جان لیں کہ اس چیز کا پڑھنا سنت ہے نہ کہ یہ مقصد تھا کہ اس کا بآواز بلند پڑھنا سنت ہے" [مجموعة الفتاویٰ لابن تیمیة: ج ٢٢ ص ٤٢٠]۔

(د):

جس صحابی نے جہر کیا تھا ان سے دو عمل کا صدور ہوا تھا، اول یہ کہ انہوں نے بآواز بلند دعاء پڑھی تھی اور دوسرے یہ کہ جو دعاء پڑھی وہ اللہ کے نبی ﷺ کی سکھلائی ہوئی نہیں تھی بلکہ وہ صحابی کی اپنی

ایجاد کردہ تھی، اور آپ ﷺ نے صحابی کو ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز سے بھی منع نہیں کیا، نہ تو جہر سے منع کیا اور نہ ہی نماز میں خودساختہ دعاء پڑھنے سے، تو کیا جہر کے ساتھ نماز میں خودساختہ دعائیں پڑھنا بھی جائز ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ آخر آپ ﷺ نے اس سے بھی تو صحابی کو منع نہیں فرمایا، اور حافظ ابن حجر نے تو اس حدیث سے باقائدہ یہی استدلال پیش کیا ہے کہ نماز میں اپنی طرف سے خود ساختہ دعائیں پڑھ سکتے ہیں کما مضیٰ کیا یہ استدلال درست ہے؟ اگر نہیں تو پھر جہر پر بھی استدلال درست نہیں۔

(ھ):

جس طرح بخاری کی حدیث میں ایک صحابی نے دعاء قومہ میں جہر کیا تھا اور آپ ﷺ نے انہیں جہر سے منع نہ کیا، ٹھیک اسی طرح مسلم کی حدیث میں ایک صحابی نے دعاء ثناء میں بھی جہر کیا تھا اور انہیں بھی اللہ کے نبی ﷺ نے منع نہیں فرمایا کما مضیٰ، تو کیا دعاء ثناء میں بھی بآواز بلند پڑھ سکتے ہیں؟ جو جواب دعاء ثناء والی مسلم کی حدیث کا دیا جائے گا وہی جواب دعاء قومہ والی بخاری کی حدیث کا بھی ہوگا۔

دلیل نمبر (٤)

"نا معتمر عن أیوب عن الأعرج قال: سمعت أبا هريرة رضى الله عنه یرفع صوته باللهم ربنا لک الحمد

اعرج کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو "**اللهم ربنا لک الحمد**" بآواز بلند پڑھتے ہوئے سنا" [مصنف ابن أبی شیبہ: ۲۲۳/۱ رقم ۲۵۵٦ ، دیکھئے: نشاط: ص ٤٤ نیز دیکھئے: القول المتین فی الجهر بالتامین ۔ از حافظ زبیر علی زئی]۔

جواب:

أولاً:

اس اثر میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ جہر باجماعت نماز میں کرتے تھے یا اکیلے نماز

پڑھتے ہوئے کرتے تھے،لہٰذا اگر اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی حضرات بلند آواز سے ''ربنا لک الحمد'' پڑھیں گے تو اس میں اس بات کی بھی دلیل ہونی چاہئے کہ منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والا شخص) بھی ''ربنا لک الحمد'' بلند آواز سے پڑھے،لیکن اس پر کوئی عمل نہیں کرتا آخر کیوں؟

فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

ثانیاً:

''**ربنا لک الحمد**'' بلند آواز سے پڑھنے کے سلسلے میں صرف ایک صحابی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل پیش کیا جارہا ہے لیکن ہم دعاء ثناء کو بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں دو صحابہ کا عمل پیش کررہے ہیں، ملاحظہ ہو:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ :

"ان عمر بن خطاب کان <u>یجھر بھٰؤلاء الکلمات</u> یقول:سبحانک اللھم وبحمدک... الخ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دعاء ثناء کے ان کلمات (**سبحانک اللھم**... الخ) کو بآواز بلند پڑھتے تھے'' [مسلم : -کتاب الصلوٰۃ :باب حجة من قال لا یجھر بالبسمله،رقم ۳۹۹فی سنده انقطاع لکنه صحیح بالشواھد ، فقد أخرجه ابن أبی شیبة: ۲۱۰/۱رقم ۲۴۰۴ واسناده صحیح علی شرط الشیخین]۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ :

"حدثنا یعقوب بن ابراھیم البزاز ثنا الحسن بن عرفه ثنا أبوبکر بن عیاش عن عاصم عن أبی وائل قال: کان عثمان اذا افتتح الصلوٰۃ یقول : ''سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک،وتعالیٰ جدک،ولا اله غیرک ''<u>یسمعناذٰلک</u>

اَبووائل کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے تو کہتے:**سبحانک اللھم**...الخ، اور اسے ہمیں سنا کر (بآواز بلند) پڑھتے'' [سنن دار قطنی:ج۱ص۶۳۱:-کتاب الصلوٰۃ:باب دعاء الاستفتاح بعد التکبیر ،رقم(۱۱۳۹)واسناده صحیح]۔

قارئین غور فرمائیں کہ دو صحابہ کرام سے دعاء ثناء بآواز بلند پڑھنا ثابت ہے تو کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دعاء ثناء بھی بآواز بلند پڑھیں گے؟ اگر نہیں تو جو جواب ان آثار کا ہوگا وہی جواب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اثر کا بھی ہوگا۔

ثالثاً:

دراصل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو بلند آواز سے پڑھتے تھے تو یہ لوگوں کو تعلیم دینے کی غرض سے پڑھتے تھے اور اسی مقصد کے تحت عثمان اور عمر رضی اللہ عنہما بھی دعاء ثناء کو بآواز بلند پڑھتے تھے، نیز اسی غرض سے خود ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما استعاذہ (أعوذ بالله من الشيطان الرجيم) کو بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے، ان تمام صحابہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ جان لیں کہ ان دعاؤں کا پڑھنا سنت ہے، ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ انہیں بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وأما الجهر العارض، فمثل ما في الصحيح أنه كان يجهر بالآية أحياناً، ومثل جهر بعض الصحابة خلفه بقوله :ربنا لک الحمد حمداً كثير اطيباً مباركا فيه، و **<u>مثل جهر عمر بقوله سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الاه غيرک</u>**، ومثل جهر ابن عمر وأبي هريرة بالاستعاذة، ومثل جهر ابن عباس بالقرآة على الجنازة ليعلموا أنها سنة. ويمكن أن يقال: جهر من جهر بها من الصحابة، كان على هٰذا الوجه، ليعرفوا أن قرآتها سنة لا لأن الجهر بها سنة ،

جہاں تک عارضی طور پر جہر کی بات ہے تو اس کی کئی مثالیں ہیں مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھار (سری نمازوں میں) کسی آیت کو بآواز بلند پڑھ دیا کرتے تھے، اسی طرح صحابہ میں سے کسی نے آپ ﷺ کے پیچھے ”ربنا لک الحمد حمداً كثيرا طيباً مباركاً فيه“ بآواز بلند پڑھا، **<u>اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ ”سبحانک اللهم و بحمدک و تبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الاه غيرک“ بآواز بلند پڑھتے تھے</u>**۔ اسی طرح ابن عمر اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہما استعاذہ (أعوذ بالله من الشيطان الرجيم) کو بآواز بلند پڑھتے تھے، اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں بلند آواز سے قرأت کرتے تھے تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ سنت ہے۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ میں سے جس نے

بھی بلند آواز سے پڑھا اس کا مقصد یہی تھا کہ لوگ جان لیں کہ اس چیز کا پڑھنا سنت ہے نہ کہ یہ مقصد تھا کہ اس کا باآواز بلند پڑھنا سنت ہے"[مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية :ج ٢٢ص ٤٢٠]۔

❁ دلیل نمبر (۵)

أخبرنا أبوالقاسم التاجر بالرى أنبانا أبوحاتم محمد بن عيسى أنبانا اسحاق عن عبدالرزاق عن ابن جريج عن اسماعيل بن أمية عن سعيد بن أبى سعيد أنه سمع أباهريرة وهوامام الناس فى الصلوٰة يقول:سمع الله لمن حمده اللهم ربنا لک الحمد الله أكبر، يرفع بذلک صوته ونتابعه معاً

سعید بن ابی سعید فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نماز میں لوگوں کی امامت کراتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا:**سمع الله لمن حمده اللهم ربنا لک الحمد الله أكبر،** ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ کلمات بلند آواز سے پڑھتے اور ہم بھی ان کے ساتھ یہ کلمات کہتے۔[السنن الكبرى للبيهقى (٩٦/٢) : كتاب الحيض(ابواب الصلوٰة):باب الامام يجمع بين قوله سمع الله لمن حمده ربنالك الحمد وكذا المأموم،رقم(٢٤٤٧)۔نشاط العبدص٤٨]۔

جواب:

أولا:

یہ روایت سخت ضعیف ہے اس کے کئی اسباب ہیں:

(الف):-

اس کی سند میں ابن جریج خطرناک قسم کے مدلس ہیں کیونکہ یہ کذاب راویوں سے تدلیس کرتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب یہ بغیر سماع کی صراحت کے روایت بیان کریں تو وہ روایت

منکر ہوتی ہے، چنانچہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱ھ) نے کہا:

إِذَا قَالَ ابنُ جُريجٍ: قَالَ فُلان، وَقَالَ فُلانٌ، وَأخبرت، جَاءَ بِمَناكِير.

جب ابن جریج کہیں کہ فلاں نے کہا، فلاں نے کہا، فلاں کے ذریعہ مجھے خبر ملی تو یہ منکر باتیں لاتے ہیں[تاریخ بغداد للخطیب البغدادی:۔ ۱۲/ ۱۴۲ واسنادہ صحیح روایۃ الجوھری عن الاثرم من کتاب]۔

بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر اس کی بعض تدلیس کردہ روایات کو موضوع و من گھڑت کہا ہے، چنانچہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱ھ) نے کہا:

بَعضُ هٰذهِ الأَحَادِيث الَتِي كَانَ يرسِلهَا بن جُريج أحَادِيث مَوضُوعَة كَان بْنُ جُرَيْج لا يُبَالِي مِن أينَ يأخذَه يَعنِي قَوله أخبرَت وَحَدّثت عَنْ فُلانٍ.

بعض ایسی احادیث جنہیں ابن جریج مرسل بیان کرتے تھے موضوع اور من گھڑت ہیں، ابن جریج اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ کہاں سے روایت اخذ کررہے ہیں یعنی جب یہ کہتے کہ مجھے فلاں کے ذریعہ خبیر دی گیا فلاں کے حوالہ سے مجھ سے بیان کیا گیا[العلل ومعرفۃ الرجال لأحمد روایۃ ابنہ عبد اللہ :۔ ۲/ ۵۵۱]۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی یہی صراحت کی ہے کہ ابن جریج سخت مجروح رواۃ سے تدلیس کرتے ہیں، چنانچہ:

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵ھ) نے کہا:

يتجَنَّبُ تَدلِيسهُ فَإِنَّهُ وحشَ التّدلِيس لا يدَلّس إلا فِيمَا سَمِعَه مِنْ مَجْرُوحٍ مثل إبْرَاهِيمَ بن أبِي يَحيىٰ ومُوسىٰ بن عُبيْدَة وَغَيرِهمَا.

ابن جریج کی تدلیس سے اجتناب کیا جائے کیونکہ وہ خطرناک قسم کی تدلیس کرتے ہیں، اور جب

تدلیس کرتے ہیں مجروح ہی سے تدلیس کرتے ہیں جیسے ابراہیم بن ابی یحیی اور موسی بن عبیدہ وغیرہ[سؤالات الحاکم للدارقطنی:۔ص:۱۷٤]۔

غورفرمائیں کہ جس راوی کا یہ معمول ہو کہ کذاب اورسخت مجروح رواۃ سے تدلیس کرکے اس کی غیرمصرح بالسماع روایت کیا ہونا چاہئے۔

یقیناً ایسی روایت قابل حجت تو درکنار شواہد و متابعات میں بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ایسی روایات سخت ضعیف کے حکم میں ہیں۔

✿ علامہ البانی رحمہ اللہ بھی پوری صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ابن جریج کی تدلیس کردہ روایات حسن لغیرہ بننے کے قابل بھی نہیں ہیں چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

فَتبَيـنَ مِـن كَـلِـمَاتِ هؤلاءِ الأئِمَّةِ أنَّ حَدِيثَ ابْن جُرَيْج المُعَنْعَن ضَعِيْف، شَدِيْد الضُّعف، لا يَستَشْهد بِه؛ لقُبْحِ تَدْلِيسِه،

ان ائمہ کے کلام سے واضح ہوا کہ ابن جریج کی معنعن روایت ضعیف اورسخت ضعیف ہے اور قبیح تدلیس کے سبب یہ استشہاد کے بھی قابل نہیں [جلباب المرأة المسلمة فی الکتاب والسنة : ص:٤٦]۔

(ب):-امام عبدالرزاق آخرعمر میں مختلط ہوگئے تھے،اس لئے آخری دور میں انہوں نے جو روایات بیان کی ہیں وہ منکر ہیں:

✿ امام احمد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

لا يعبأ بحديث من سمع منه وقد ذهب بصره، كان يلقن أحاديث باطلة

ان کی بصارت جانے کے بعد ان سے جو احادیث سنی گئی ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے،اس وقت انہیں باطل احادیث کی بھی تلقین کی جاتی تھی[سوالات ابن ھانی رقم :۲۲۸۵، موسوعة اقوال الامام احمد فی الجرح والتعدیل :٤/۳۲۲]۔

✿ امام ابوزرعة الدمشقی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۸۱) نے کہا:

أَخْبَرَنِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ قَالَ: أَتَيْنَا عَبْدَ الرَّزَّاقِ قَبْلَ الْمِائَتَيْنِ، وَهُوَ صَحِيحُ الْبَصَرِ

وَمَنْ سَمِعَ مِنْهُ بعدما ذهب بصره فَهُوَ ضَعِيفُ السَّمَاعِ.

جن نے ان کی بینائی جانے کے بعد ان سے سنا وہ ضعیف السماع ہیں۔[تاریخ ابی زرعة الدمشقی:ص:٤٥٧]۔

۞ امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی:٣٠٣) نے کہا:

عبد الرَّزَّاق بن همام فِيهِ نظر لمن كتب عَنهُ بِأخرَة.

جن لوگوں نے اخیر میں ان سے احادیث لکھی ہیں ان سے متعلق ان میں نظر ہے[الضعفاء والمتروکون للنسائی:ص:٦٩]۔

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی:٣٦٥) نے کہا:

لا بأس به إلاَّ أنه قد سبق منه أحاديث فِي فضائل أهل البيت ومثالب آخرين مناكير.

آپ میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے لیکن اہل بیت کے فضائل اور بعض کی مذمت میں ان سے منکر روایت بیان ہوئی ہیں[الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی:٥٤٥/٦]۔

۞ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:٣٨٥) نے کہا:

يخطىء على معمر فى أحاديث لم تكن فى الكتاب .

کتاب سے باہر یہ معمر کی احادیث میں غلطی کرتے تھے[سؤالات ابن بكير للدارقطنی:ص:٢]۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:٨٥٢) نے کہا:

ثقة حافظ مصنف شهير عمى فى آخر عمره فتغير و كان يتشيع.

آپ ثقہ، حافظ، اور مشہور مصنف ہیں، اخیر میں بصارت چلی گئی پھر تغیر حفظ کے شکار ہو گئے اور ان کے اندر تشیع تھا۔[تقريب التهذيب لابن حجر:٣٥٤/٢]۔

معلوم ہوا کہ امام عبدالرزاق اخیر میں مختلط ہو گئے تھے لہٰذا ان سے جن لوگوں نے اختلاط کے بعد روایت کی ہے وہ حجت نہیں اور زیر تحقیق روایت کو اسحاق الدبری نے روایت کیا اور انھوں امام عبدالرزاق کے اختلاط کے بعد ان سے روایت کی ہے۔

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۶۵) نے کہا:

استصغره عَبد الرَّزَّاق أحضره أبوه عنده، وَهو صغير جدا فكان يقول: قرأنا على عَبد الرَّزَّاق أى قرأ غيره، وحضر صغيرا وحدث عنه باحاديث منكرة .

عبدالرزاق کے پاس یہ بہت کم عمری میں پہنچے تھے ان کے والد انہیں ان کے پاس لے گئے تھے اس وقت یہ بہت چھوٹے تھے، تو یہ کہتے تھے: ہم نے عبدالرزاق کے سامنے پڑھا مطلب ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے پڑھا اور یہ بہت کم عمری میں عبدالرزاق کے پاس حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے عبدالرزاق سے منکر احادیث بیان کی ہیں[الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى: ٥٦٠/١]۔

۞ امام ابن الصلاح رحمہ اللہ (المتوفی:۶۴۳) نے کہا:

قَدْ وَجَدْتُ فِيمَا رُوِيَ عَنِ الطَّبَرَانِيِّ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الدَّبَرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ أَحَادِيثَ اسْتَنْكَرْتُهَا جِدًّا، فَأَحَلْتُ أَمْرَهَا عَلَى ذَلِكَ، فَإِنَّ سَمَاعَ الدَّبَرِيِّ مِنْهُ مُتَأَخِّرٌ جِدًّا.

طبرانی عن اسحاق بن ابراہیم دبری عن عبدالرزاق کے طریق سے مروی کئی احادیث میں نے پائی جن میں مجھے شدید نکارت محسوس ہوئی، تو میں نے اسے عبدالرزاق کے سوء حفظ ہی کا نتیجہ سمجھا کیونکہ دبری کا عبدالرزاق سے سماع بہت بعد میں ہے۔[مقدمة ابن الصلاح: ص:٣٩٦]۔

۞ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

ما كان الرجل صاحب حديث، وإنما أسمعه أبوه واعتنى به، سمع من عبد الرزاق تصانيفه، وهو ابن سبع سنين أو نحوها، لكن روى عن عبد الرزاق أحاديث منكرة.

یہ شخص حدیث والا نہیں تھا بلکہ اس کے باپ نے اسے سنایا تھا، اس نے عبدالرزاق سے ان کی تصنیفات کو سنا اس وقت یہ کم وبیش سات سال کا تھا، لیکن اس نے عبدالرزاق سے منکر احادیث بھی بیان کی ہے[ميزان الاعتدال للذهبى: ١٨١/١]۔

۞ علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ورجاله ثقات، لولا أن الصنعانى وهو الدبرى سمع من عبد الرزاق فى حالة

الاختلاط كما قال ابن الصلاح .

اس کے رجال ثقہ ہیں اگر صنعانی یعنی دبری نے عبدالرزاق سے حالت اختلاط میں نہ سنا ہوتا جیسا کہ ابن صلاح نے کہا ہے[سلسلة الأحاديث الضعيفة:٣٢٧/٩]۔

۞ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

أن الإسناد الذى ساقه لا تقوم به حجة ؛ لأنه من رواية الدبرى عن عبد الرزاق ؛ فإن الدبرى مع أنه قد تكلم بعضهم فيه ؛ فإنه ممن سمع من عبد الرزاق بعد اختلاطه

جس اسناد کوانہوں نے بیان کیا ہے اس سے حجت قائم نہیں ہوتی کیونکہ اس میں دبری عبدالرزاق سے روایت کررہے ہیں اور دبری خود متکلم فیہ ہونے کے ساتھ ساتھ عبدالرزاق سے ان کے اختلاط کے بعد روایت کرتے ہیں،[سلسلة الأحاديث الضعيفة :٥٢١/١١]۔

(ج):- عبدالرزاق سے نقل کرنے والے ''اسحاق بن ابراہیم الدبری'' یہ خود بھی متکلم فیہ ہیں۔

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی:٣٦٥) نے کہا:

حدث عنه بحديث منكر .

اس نے امام عبدالرزاق سے منکر حدیث بیان کی ہے[الكامل لابن عدى: ٥٦٠/١]۔

۞ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:٧٤٨) نے کہا:

ما كان الرجل صاحب حديث، وإنما أسمعه أبوه واعتنى به، سمع من عبد الرزاق تصانيفه، وهو ابن سبع سنين أو نحوها، لكن روى عن عبد الرزاق أحاديث منكرة.

یہ شخص حدیث والانہیں تھا بلکہ اس کے باپ نے اسے سنایا تھا،اس نے عبدالرزاق سے ان کی تصنیفات کو سنا اس وقت یہ کم وبیش سات سال کا تھا،لیکن اس نے عبدالرزاق سے منکر احادیث بھی بیان کی ہے[ميزان الاعتدال للذهبى:١٨١/١]۔

۞ علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فيه كلام معروف.

اس پر جو کلام کیا گیا ہے وہ معروف ہے[الضعيفة:ج:٧، ص:١٠٤، رقم:٣١٠٣،ايضاً الضعيفة:تحت الرقم:٥٧٨٢]۔

۞ حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

مصنف کا راوی الدبری ضعیف و مصحف ہے جیسا کہ سمیع صاحب نے اپنے خط میں اشارۃ لکھا ہے مزید تفصیل کے لئے [لسان الميزان:١/٥٣١-٥٣٢،ت:١٠٩٨] اور مقدمہ ابن الصلاح بحث المختلطین کا مطالعہ کریں۔[قیام رمضان:ص:٤٧]۔

ثانیاً:

اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو تعلیم پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ عمر فاروق اور عثمان رضی اللہ عنہما دعاء ثناء جہراً پڑھتے تھے اور اسے تعلیم پر محمول کیا جاتا ہے، کما مضٰی۔

تنبیہ:

راشدی صاحب اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس جگہ امام اور مقتدیوں کا جہراً کہنا ثابت ہوا''[نشاط العبدص٤٨]۔

(الف)

ہم کہتے ہیں کہ مقتدیوں کے جہر کی صراحت اس حدیث میں ہرگز نہیں ہے، شاید راشدی صاحب کو ''**ونتابعه معاً**'' سے مغالطہ ہوا ہے۔حالانکہ متابعت میں صرف ''کوئی کام ساتھ ساتھ کرنے'' کا معنی پایا جاتا ہے نہ کہ ''ایک ہی کیفیت وشکل میں کرنے'' کا معنی۔

(ب)

''**ونتابعه معاً**'' سے پہلے جو امام کے الفاظ ہیں وہ صرف **اللهم ربنا لك الحمد** ہی نہیں

ہیں بلکہ ’’سمع الله لمن حمده اللهم ربنا لک الحمد الله أكبر ‘‘ ہیں،یعنی تحمید کے ساتھ ساتھ اس سے پہلے والی تسمیع اور اس کے بعد والی تکبیر کا بھی ذکر ہے اور پھر مقتدیوں کا طرز عمل ذکر ہے کہ ’’ونتابعه معاً ‘‘اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقتدی حضرات امام کے پیچھے تسمیع ،تحمید اور تکبیر تینوں ساتھ ساتھ کہتے تھے،اور لطف تو یہ ہے کہ امام بیہقی نے اسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے یہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کی ہے، چنانچہ امام بیہقی نے اس حدیث کو ذکر کرنے سے پہلے یہ باب قائم کیا ہے:

’’الامام يجمع بين قوله ’’سمع الله لمن حمده وربنالک الحمد‘‘ و**كذالماموم**‘‘

یعنی امام کے ساتھ ساتھ مقتدی حضرات کو بھی ’’سمع الله لمن حمده وربنالک الحمد‘‘ کہنا چاہئے‘‘

اسی طرح اس حدیث کی تخریج علامہ ابن حزم نے بھی کی ہے اور ان کا مقصود بھی اسی چیز کا اثبات ہے[المحلی :۱۵٦/۳]،اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ’’ونتابعه معاً‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی حضرات امام کے پیچھے سمع الله لمن حمده وربنالک الحمد دونوں ساتھ ساتھ کہتے تھے۔ اب اگر’’ونتابعه معاً‘‘ میں جہر کا معنی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقتدی حضرات سمع الله لمن حمده بھی جہر سے کہتے تھے!اور اگر یہاں اس کے جہر کی دلیل نہیں تو پھر ربنا لک الحمد کے جہر کی بھی دلیل نہیں، فافہم۔

دلیل نمبر(٦)

’’ أخبرنا أبوزكريا بن أبي اسحاق المزكي أنبانا **عبدالباقي بن قانع القاضي** ببغداد ثنا اسحاق بن الحسن الحربي ثنا مسلم بن ابراهيم ثنا **عبد الله بن ميسرة** ثنا **ابراهيم بن أبي حرة** عن مجاهد عن محمد بن الأشعث عن عائشة قالت:قال قال رسول الله ﷺ : ’’لم يحسدونا اليهود بشئ ماحسدونا بثلاث: التسليم، والتامين، واللهم ربنالک الحمد‘‘

ام المؤمنین عائشہ رضی للہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''یہود جتنا تین چیزوں میں ہم سے حسد کرتے اتنا اور چیزوں میں نہیں کرتے: سلام کرنے میں، آمین کہنے میں، **اللھم ربنالک الحمد** کہنے میں'' [السنن الکبری للبیھقی(٥٦/٢):-کتاب الحیض(ابواب الصلوٰۃ): باب التامین رقم ٢٢٧٢، ۔دیکھئے :نشاط العبدص٢٣]۔

جواب:

یہ روایت سخت ضعیف ہے اس کی کئی وجوہات ہیں:

(الف):-

سند میں ایک دوسرے راوی "**عبدالله بن ميسرة**" ہیں یہ سخت ضعیف راوی ہیں

۞ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

ضعيف

یہ ضعیف ہے۔ [الجرح والتعدیل:١٧٧/٥رقم ٨٣١]۔

۞ امام نسائی فرماتے ہیں:

ضعيف

یہ ضعیف ہے۔ [الضعفاء والمتروکین:٦٥/١رقم ٣٤]۔

۞ امام دارقطنی فرماتے ہیں:

ضعيف

یہ ضعیف ہے۔ [کتاب الضعفاء والمتروکین:١٤/١رقم ٣١٦]۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كان كثير الوهم على قلة روايته كثير المخالفة للثقات فيما يروى عن الأثبات

یہ قلت روایت کے باوجود بھی بہت زیادہ وہم کا شکار ہونے والا تھا، اور ثقہ لوگوں سے روایت کرتے وقت بکثرت ان کی مخالفت کرتا تھا[المجروحین لابن حبان ٣٢/٢]

یادرہے کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ کی یہ جرح مفسر ہے۔

۞ امام یحیی بن معین فرماتے ہیں:

لیس بشیء

اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔[تاریخ ابن معین، روایة الدارمی:ص۲۴۹ ،سؤالات ابن الجنید لابن معین :ص۳۷۷]۔

نوٹ:-واضح رہے کہ لَیسَ بِشَیء یہ سخت قسم کی جرح ہے، جیسا کہ متعدد محدثین نے صراحت کی ہے دیکھیں:[الفاظ وعبارات الجرح والتعدیل:۳۰۷،فتح المغیث :۔۱۲۳/۲،تدریب الراوی:۴۰۹/۱-۴۱۰]۔

اورابن معین کے نزدیک بھی عام حالات میں یہ اسی معنی میں ہے، بلکہ بسااوقات آپ نے کذاب اور وضاع راویوں پربھی انہیں الفاظ میں جرح کی ہے،مثلاًایک کذاب کے بارے میں فرماتے ہیں:''**کَذَّابٌ لَیسَ بِشَی.** ''یہ کذاب ہےاس کی کوئی حیثیت نہیں[سؤالات ابن الجنید:۔رقم ۵۳۵و أیضا أرقام:۲۹۳،۴۱۷،۴۸۴،]۔

اورایک وضاع کے بارے میں فرماتے ہیں:''**لَیسَ بِشَیءٍ یضعُ الاحَادِیث.** ''اس کی کوئی حیثیت نہیں یہ احادیث گھڑتا تھا[تاریخه ،روایة الدوری:۔رقم۴۲۱۳]۔

زبیرعلی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''امام ابن معین عام طور پر جس راوی کو'' **لیس بشیء** ''کہتے ہیں تو وہ شدید جرح ہوتی ہے۔''[ماہنامہ''الحدیث''حضرو:۵۵ص۱۸]۔

۞ امام ابوزرعہ فرماتے ہیں:

"واهی الحدیث،ضعیف الحدیث"

یہ بہت بے کارحدیث بیان کرنے والا اورضعیف الحدیث ہے[الجرح والتعدیل:۱۷۷/۵رقم ۸۳۱]۔

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کی جرح کا پہلا صیغہ بھی شدید جرح ہے۔

۞ امام بیہقی فرماتے ہیں:

متروک

یہ متروک ہے [السنن الکبری: ۱۲/۱ رقم ۳۳]۔

متروک شدید اور سخت قسم کی جرح ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واہ

یہ سخت ضعیف ہے۔[الکاشف للذھبی: ۵۰۲/۱]

یہ سخت جرح ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: **ارشاد العبد الی اخفاء ربنالک الحمد۔**

یادر ہے مؤخر الذکر محدثین کی جرح سخت وشدید ہے۔

حافظ ذہبی نے اس راوی (عبداللہ بن میسرۃ) کی وجہ سے ضعیف قرار پانے والی سندوں میں درج ذیل سند بطور مثال پیش کی ہے:

"**مسلم بن ابراهيم حدثنا عبدالله بن ميسرة عن ابراهيم بن أبى حرة عن مجاهد ...**" [میزان: ج۲ ص۵۱۱ رقم (۴۶۴۱)]۔

اور یہ روایت اسی سند کے ساتھ ہے لہٰذا ضعیف ہے، علامہ اُلبانی نے بھی اس راوی کی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، مثلاً دیکھئے الضعیفۃ رقم (۲۲۰۱)، **القول المقبول** کے مؤلف نے اسی راوی کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

"یہ سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں "عبداللہ بن میسرۃ" ہے جو ضعیف ہے جیسا کہ تقریب میں ہے" [القول المقبول : ص ٣٦٦۔ از عبدالرؤف بن عبدالحنان]۔

علامہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس (عبداللہ بن میسرۃ) پر اتنے شدید جروح وارد نہیں ہیں جو کہ اس کی روایات کو بالکل رد کر دی جائے بلکہ جروح بھی غیر مفسر واقع ہیں بلکہ ابن حبان نے ضعفاء میں کہا ہے کہ **لایحل الاحتجاج بخبرہ**، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی روایت احتجاجاً نہیں مگر استشہاداً پیش کی جاسکتی ہے جس طرح آمین بالجہر کی دوسری روایتوں

کے ساتھ شہادت کے لئے یہ روایت پیش کی جاسکتی ہے اس طرح اس مسئلہ میں بھی شہادت کا کام دے سکتی ہے“ [نشاط العبد:ص ٢٤]۔

ہم کہتے ہیں کہ راشدی رحمہ اللہ نے جو یہ کہا کہ ”اس پر اتنے شدید جروح وارد نہیں“ تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ گذشتہ سطور میں ہم نے امام ابن معین، امام ابوزرعہ، امام بیہقی اور امام ذہبی رحمہم اللہ سے جو جروح نقل کی گئی ہیں وہ سخت ہیں۔جس کا تقاضا ہے کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے۔لہٰذا یہ روایت حسن لغیرہ کے باب میں بھی حجت نہیں بن سکتی۔یادرہے کہ کسی روایت کے حسن لغیرہ بننے کے لئے معتبر شواہد ومتابعات کی ضرورت پڑتی ہے اور اس روایت کا سرے سے کوئی شاہد ومتابع ہی نہیں ہے چہ جائے کہ وہ قابل اعتبار ہو۔

راشدی رحمہ اللہ صاحب نے آگے کہا:

”بلکہ جروح بھی غیر مفسر واقع ہیں“ [حوالہ مذکور]

ہم کہتے ہیں کہ یہ دعوی بالکل غلط ہے کیونکہ ابن حبان رحمہ اللہ کی جرح مفسر ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں حوالہ گذرا۔

نیز جرح غیر مفسر صرف اس وقت رد کی جاتی ہے جب اس کے مقابل میں توثیق وتعدیل موجود ہے (تاہم اس میں بھی تفصیل ہے) اور یہاں عبداللہ بن میسرہ پر کی گئی جروح کے مقابل میں کوئی توثیق موجود نہیں ہے بلکہ ائمہ جرح وتعدیل نے بالاتفاق اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

راشدی صاحب نے مزید کہا:

”بلکہ ابن حبان نے ضعفاء میں کہا ہے کہ **لایحل الاحتجاج بخبرہ**، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی روایت احتجاجاً نہیں مگر استشہاداً پیش کی جاسکتی ہے“ [حوالہ مذکور]

ہم کہتے ہیں کہ اگر اس روایت کو استشہاداً پیش کرسکتے ہیں تو ہمیں بتلایا جائے کہ اس روایت کی ہم معنی وہ کون سی روایت ہے جس کی خاطر اس روایت کو شاہد بنانا یا جارہا؟ عصر حاضر کے عظیم محدث اور احادیث کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں پر گہری نظر رکھنے والے علامہ اَلبانی فرماتے ہیں:

”ولم ترد هاتان الخصلتان في شئ من الأحاديث الواردة في الباب

”اس باب کی جتنی بھی حدیثیں ہیں ان میں سے کسی میں بھی ان دونوں حصوں کا ذکر

نہیں ہے[سلسلۃالأحادیث الضعیفۃ(١٤/١٠٥١):رقم٦٩٥٥]۔

لہٰذا اگر اس روایت کے علاوہ اس کی ہم معنی روایت (یعنی **ربنالک الحمد** پر یہودی حسد کی روایت) کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تو پھر شاہد واستشہاد کی بات کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

راشدی صاحب نے آگے لکھا:

''جس طرح آمین بالجہر کی دوسری روایتوں کے ساتھ شہادت کے لئے یہ روایت پیش کی جاسکتی ہے اس طرح اس مسئلہ میں بھی شہادت کا کام دے سکتی ہے'' [حوالہ مذکور]

دیکھئے بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی ! راشدی صاحب ابھی تک تو شاہد شاہد کی بات کرر ہے تھے، لیکن یہاں آکر بغیر کوئی شاہد حاضر کئے اسے ایک ثابت شدہ روایت کا مقام دے کر ''مسئلہ ربنا لک الحمد بالجہر'' کی تائید میں پیش کردیا،اور''تائید'' کو''شہادت'' سے تعبیر کردیا، جوکہ اصول تصحیح وتضعیف سے صریح روگردانی ہے کیونکہ فقہ میں ''کسی مسئلہ کی تائید'' اورفن حدیث میں ''کسی روایت کی شہادت'' یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں،اول الذکر میں اتحادِ متن کی شرط نہیں جبکہ ثانی الذکر میں اتحادِ متن لازم ہے،یہی وجہ ہے کہ''مسئلہ آمین بالجہر'' کی تائید میں ''آمین پر یہودی حسد والی روایت'' کو بے شک پیش کیا جاتا ہے،مگر''آمین بالجہر کی روایت'' کی صحت کے لئے'' آمین پر یہودی حسد والی روایت'' بطور شہادت کوئی نہیں پیش کرتا کیونکہ دونوں کا متن الگ الگ ہے۔اور یہاں معاملہ فقہ کے کسی مسئلہ کے استنباط کا نہیں بلکہ حدیث کی صحت کے اثبات کا ہے،لہٰذا راشدی صاحب اگر اس روایت کو شہادت کے لئے پیش کرنا چاہتے ہیں تو اس کی خاطر دوسری کوئی ایسی روایت تلاش کریں جس میں ہو بہو یہی متن موجود ہو،یعنی ربنالک **الحمد** پر یہودی حسد کی بات ہو۔

ہم تو کہتے ہیں کہ کسی دوسری روایت میں اس متن کا ثابت ہونا تو درکنار،خود اسی روایت میں اس کا ثبوت محل نظر ہے کیونکہ اس روایت کے کسی بھی طریق میں اس ٹکڑے کا ذکر نہیں ہے[کما قال الألبانی فی الضعیفۃ(٦٩٥٥)و عبدالرؤف فی القول المقبول ص٣٦٦]لہٰذا یہ زیادتی منکر ہے حتی کہ اگر اس کی سند صحیح تسلیم کرلی جائے تب بھی یہ ٹکڑا غیر ثابت شدہ ہی مانا جائے گا کیونکہ دریں صورت ثقات کی مخالفت کے باعث یہ زیادتی شاذ قرار پائے گی،لہٰذا راشدی صاحب سب سے پہلے اسی روایت کی

خیر منا ئیں اس کا شاہد تلاش کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

(ب):-

سند میں ایک اور راوی "**عبد الباقی بن قانع**" ہیں یہ بھی متکلم فیہ ہیں ان کے بارے میں ابو الحسن بن الفرات فرماتے ہیں:

"حدث به الاختلاط قبل موته" [الكواكب النيرات ابن الكيال :ص ٣٦٣]

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

كان يخطىء ويصر على الخطأ

یہ غلطی کرتا تھا اور اپنی غلطی پر ڈٹا رہتا تھا [سؤالات حمزة للدارقطنى :ص٢٣٦]

ابن حزم فرماتے ہیں:

فوجدنا فيه البلاء البين، والكذب البحت، والوضع اللائح

ہم نے اس کی حدیث میں کھلی مصیبت، صریح جھوٹ اور واضح خودساختہ باتیں پائیں۔[المحلى لابن حزم :٥٦٣/٧]

علامہ ألبانی نے اس راوی کے سبب بھی بعض روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، مثلاً دیکھیں :**سلسلةالأحاديث الضعيفة رقم (٦٦٠٦) ، (٦٦٣٦)۔**

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: **ارشادالعبد الى اخفاء ربنالک الحمد۔**

(ج):-

متن میں اضطراب ہے علامہ ألبانی لکھتے ہیں:

"وحديثه هذايد ل على ضعف فيه، فانه اضطرب فى متنه–كماترى–فانه فى الرواية الأولى ذكرثلاث خصال، وفى الأخرى اثنين وذكر فى هذه ''الأذان' ' وفى الأولى جملة الحمد(ربنالک الحمد)"

اس (ابراہیم بن ابی حرہ) کی یہ حدیث اس کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ اس کے متن کو بیان کرنے میں اضطراب کا شکار ہوا ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں چنانچہ اس نے پہلی روایت میں تین خصلتیں بیان کیں، اور دوسری میں دو خصلتیں بیان کیں اور اس میں اذان کو ذکر کیا اور پہلی میں **ربنالک الحمد** کے الفاظ ذکر کئے

[سلسلةالأحاديث الضعيفة ج ١٤ ص ١٠٥١ رقم الحديث (٦٩٥٥)]-

علامہ البانی رحمہ اللہ نے یہاں پر متن میں جس اضطراب کی بات کی ہے وہ بالکل درست ہے لیکن علامہ البانی رحمہ اللہ کا اس اضطراب کی ذمہ داری ''ابراہیم بن ابی حرہ'' پر ڈالنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ ابراہیم سے نیچے ''عبداللہ بن میسرہ'' سخت ضعیف راوی موجود ہے، لہٰذا ابراہیم بن ابی حرہ سے اس طرح روایت بیان کرنا ثابت ہی نہیں۔ اس لئے ان کو اس اضطراب کے لئے کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ بلکہ اس کا ذمہ دار عبداللہ بن میسرہ ہی ہے۔

بہرحال ایک طرف سند میں کئی رواۃ کا متکلم فیہ ہونا اور دوسری طرف متن میں واضح اضطراب یہ اس بات کا قوی ثبوت ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

(د):-

متن میں نکارت بھی ہے کیونکہ یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے لیکن کسی میں بھی **ربنالک الحمد** کا ذکر نہیں ہے، علامہ اَلبانی لکھتے ہیں:

"ولم ترد هاتان الخصلتان في شئ من الأحاديث الواردة في الباب فهما منكرتان بل انه قد خولف في متنه فرواه عمرو بن قيس عن محمد بن الأشعث به على لفظ آخر"

اس باب میں وارد احادیث میں سے کسی میں بھی یہ دونوں خصلتیں وارد نہیں ہیں، لہٰذا یہ دونوں منکر ہیں۔ بلکہ اس روایت کے اصل متن کی بھی مخالفت کی گئی ہے چنانچہ عمر بن قیس نے محمد بن الاشعد سے اسی روایت کو دوسرے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے

[سلسلةالأحاديث الضعيفة(١٠٥١/١٤):رقم٦٩٥٥]-

ان تمام وجوہات کی بنا پر یہ روایت سخت ضعیف ہے، لہٰذا لائق حجت نہیں۔

دلیل نمبر(۷)

حدیث کے مطابق پہلے سمع اللہ لمن حمدہ کہا جاتا ہے اور اس کے بعد ربنا لک الحمد پڑھا جاتا ہے یعنی **سمع الله لمن حمده** یہ متبوع ہے اور **ربنا لک الحمد** یہ تابع ہے اور تابع متبوع کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا اگر متبوع جہراً ہے تو تابع بھی جہراً ہونا چاہیئے،[نشاط العبد:ص ۹]۔

راشدی صاحب فرماتے ہیں:

''جو حکم متبوع کا ہوگا وہی تابع کا ہونا چاہیئے، یعنی اگر متبوع جہراً ہے تو تابع بھی جہراً اور سراً ہے تو تابع بھی سراً ہونا چاہیئے''[نشاط العبد:ص ۹]۔

جواب:

تابع متبوع سے راشدی صاحب کی کیا مراد ہے اس کی مزید وضاحت کے لئے آں جناب کی طرف سے پیش کردہ یہ سوال وجواب ملاحظہ فرمایئے:

''**سوال:** نماز میں درود کے لئے بھی ''**قولوا**'' وارد ہے؟ **جواب:** لیکن درود تشہد کے تابع ہے اور اور تشہد کا اخفاء کرنا ہی سنت ہے،(مشکوۃ ص۸۵) فحکم التابع کمتبوعہ''[نشاط العبد ص۱۲]

دراصل راشدی صاحب نے ایک بحث میں کہا ہے کہ ''**قولوا**'' کا مطلب ہوتا ہے جہر سے کہنا، **ربنا لک الحمد** کے لئے ''قولوا''، مستعمل ہے لہٰذا اسے جہر سے کہیں گے، لیکن چونکہ حدیث میں درود کے لئے بھی ''**قولوا**'' مستعمل ہے لہٰذا اعتراض ہوسکتا تھا کہ پھر درود بھی جہر سے ہونا چاہیئے، اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے موصوف نے یہاں پھر تابع متبوع کا قائدہ دہرادیا کہ درود تشہد کے تابع ہے، اور تشہد مخفی ہوتا ہے لہٰذا درود مخفی ہونا چاہیئے، موصوف کی اس تحریر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ موصوف کے نزدیک ایک چیز کے بعد دوسری چیز کا ذکر ہو تو یہاں پر تابع متبوع کی صورت پائی جائے گی۔

أولاً:

اگر یہی قائدہ ہے تو پھر اس قائدہ کی رو سے پوری نماز ہی بلند آواز سے پڑھنی پڑے گی، کیونکہ نماز

کے ہر حصے میں اسے فِٹ کیا جا سکتا ہے، چنانچہ نماز کی ہر دعاء تکبیر کے بعد پڑھی جاتی ہے مثلاً ثناء کی دعاء، رکوع کی دعاء، سجدہ کی دعاء، جلسہ کی دعاء، تشہد کی دعاء وغیرہ وغیرہ اس لحاظ سے یہ دعائیں متبوع ہوئیں اور تکبیرات تابع ہوئیں، پھر تکبیرات بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں لہٰذا اس کے بعد کی دعائیں بھی بآواز بلند پڑھنی چاہئے کیونکہ تابع اور متبوع کا حکم ایک ہوتا ہے، اب یہاں پر فریق دوم کیا فرمائیں گے؟ فما کان جوابکم فهو جوابنا۔

ثانیاً:

راشدی صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مقتدی حضرات کے لئے بھی **سمع الله لمن حمده** پڑھنا ضروری ہے [نشاط العبد ص ٥٣، ٥٤] ۔اب سوال یہ ہے کہ مقتدی حضرات **سمع الله لمن حمده** کس طرح کہیں گے جہراً یا سراً؟ اگر سراً کہیں گے تو اس صورت میں انہیں **ربنا لک الحمد** بھی سراً پڑھنا چاہئے کیونکہ **ربنا لک الحمد** یہ تابع ہے اور **سمع الله لمن حمده** یہ متبوع، اور تابع اور متبوع کا حکم ایک ہوتا ہے، لہٰذا مقتدی کی **سمع الله لمن حمده** سراً ہے تو اس کی **ربنا لک الحمد** بھی سراً ہونا چاہئے کیونکہ حکم التابع کمتبوعہ۔

غور کریں! اب یہی قائدہ کہہ رہا ہے کہ مقتدی حضرات آہستہ **ربنا لک الحمد** پڑھیں گے، اب اس کا کیا جواب ہوگا؟ اور جہاں تک امام کی بات ہے تو امام تمام تکبیرات بلند پڑھتا ہے اس کے باوجود اس کے بعد کی دعائیں آہستہ پڑھتا ہے، لہٰذا **سمع الله لمن حمده** کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اس کے بعد کی دعاء **ربنا لک الحمد** کو آہستہ پڑھے، کیونکہ **سمع الله لمن حمده** تکبیر ہی کے قائم مقام ہے جیسا کی خود راشدی صاحب بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انتقالات کی تکبیریں مقتدیوں کو آہستہ کہنی چاہئیں اور **سمع الله لمن حمده** تکبیر کے قائم مقام ہے فافہم“ [نشاط العبد: ص ٤٩]۔

واضح رہے کہ ”سمع الله لمن حمده“ کہنا امام کے ساتھ ساتھ مقتدی کے لئے بھی ضروری ہے [صفة صلوٰة النبی للألبانی (عربی) ص ١١٨، (ترجمہ شیخ عبدالباری) ص۱۹۹]

ربنا لک الحمد بالجہر پڑھنے کے سب سے بڑے قائل علامہ راشدی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے[نشاط العبد ص ٥٣، ٥٤] مگر عام لوگ جو **ربنا لک الحمد** بالجہر پڑھتے ہیں ان کے بارے میں یہی سننے دیکھنے میں آتا ہے کہ جونہی ان کا امام "**سمع الله لمن حمده**" کہتا ہے، یہ لوگ فوراً بآواز بلند "**ربنا لک الحمد...**" پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، سچ کہا گیا ہے کہ جب ایک بدعت رواج پاتی ہے تو اس کی جگہ ایک سنّت مردہ ہو جاتی ہے،[هداية الرواة مع تحقيق الألباني ج ١ ص ١٤١] ،**فالى الله المشتكى۔**

و"سبحانک اللهم وبحمدک، أشهد أن لا اله الا أنت، أستغفرک و أتوب اليک".